تعمیر حیات

شعبۂ تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

ایمان کے تکمیلی عناصر

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا یہ کہ بس اللہ ہی کے لئے کسی سے تمھاری محبت ہو، اور اللہ ہی کیلئے بغض وعداوت ہو، دوسرے یہ کہ تم اپنی زبان کو اللہ کی یاد میں لگائے رکھو، حضرت معاذؓ نے عرض کیا۔ اور کیا یا رسول اللہ آپ نے فرمایا اور یہ کہ دوسرے لوگوں کیلئے وہی چاہو اور وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ (مسند احمد)

۹ صفر ۱۳۹۲ھ مطابق
۲۵ مارچ ۱۹۷۲ء

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ ○ قیمت فی پرچہ ۳۵ پیسے

Regd No. L 1951 FORTNIGHTLY Phone 22948

TAMEER-E-HAYAT

Darululoom Nadwatululama, Lucknow. (India)

معلم الانشاء

الادب العربی
بین عرض و نقد

دہلی اور اسکے اطراف

تذکرہ
حضرت مولانا فضل رحمن

از مولانا ابو الحسن علی حسنی ندوی

جزیرۃ العرب

ملنے کا پتہ

مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

Cover Printed at Nadwa Press Lucknow

۹ رصفر ۱۳۹۲ھ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ لکھنؤ

مطابق

۲۵ رمارچ ۱۹۷۲ء

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد (۹) ——— شمارہ (۱۰)

چندہ
سالانہ ۸ روپے
ششماہی ۴ روپے
فی کاپی ۳۵ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موجودہ حالات

اور مسلمانوں کی نازک ذمہ داری!

محمد الحسنی

اسلام کے حسن پر سب سے بڑا حجاب: مسلمانوں کی ذمہ داری اس ملک میں نعروں، تمناؤں اور خواہشوں سے کہیں زیادہ شدید اور نازک ہے، اگر وہ اپنی زندگی سے اسلام کی اسی طرح غلط تصویر پیش کرتے رہے اور اسلام کا نام صرف اپنی مطلب براری کے لئے استعمال کرتے رہے تو ان کو بڑی سے بڑی طاقت اور بڑی سے بڑی حکومت بھی نہیں بچا سکتی، اگر کوئی اسلامی ملک اس معاملہ میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کو بھی تباہی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کا کسی خاص ملک اور قوم سے رشتہ نہیں اس نے کسی قوم سے محض وطنی اور قومی بنیاد پر کامیابی اور سرفرازی کا کوئی وعدہ نہیں کیا، اس کا صاف اعلان ہے۔

لیس بأمانیکم ولا أمانی أهل الكتاب (تمہاری امانی امیدوں سے کچھ ہونے والا ہے نہ اہل کتاب کی) من یعمل سوءا یجز به (جو برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا)

اس کی نصرت کا اگر وعدہ ہے تو صرف ایمان اور عمل صالح اور اپنی جد وجہد پر۔ اس کے لئے اگر ہم حالات میں تبدیلی کے آرزومند اور عزت و سلامتی کے خواہشمند ہیں تو ہمیں اسی سیدھے راستہ پر چلنا ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تجویز فرما دیا ہے۔

وہ راستہ یہ ہے کہ ہم ذمہ دار اور شریف انسانوں اور سچے اور پکے مسلمانوں کی طرح اپنے ملک میں زندگی گذاریں اور شریعت و سنت کی رہنمائی میں اپنی زندگی کی ان تمام خامیوں کو دور کریں، جو ایک مسلمان کی زندگی سے کوئی مطابقت نہیں رکھتیں، خاص طور پر ان خامیوں اور کوتاہیوں کو جن کی وجہ سے غیر مسلم اسلام کی صاف روشن اور پاکیزہ تعلیمات سے بدظن اور متنفر ہو رہے ہیں۔ یہ خامیاں اور کمزوریاں وہ غلط اور غیر اسلامی رسم و رواج اور عادات ہیں جو ہمارے معاشرہ میں گھر کر چکی ہیں بدخلقی و بدمعاملگی، وعدہ خلافی، بدعہدی، اسراف و فضول خرچی ظلم و بے انصافی اور رسوم و بدعات اس طرح کی چیزیں ہیں جن سے نہ صرف ہمارے متعلق بلکہ اس سے آگے بڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے متعلق غیر مسلموں کے ذہنوں میں بہت غلط تصویر قائم ہوتی ہے۔

ہم میں سے ہر فرد کو (خواہ مرد ہو یا عورت) اپنی زندگی میں ایسی نمایاں اور کھلی ہوئی تبدیلی کرنی چاہئے جس کو دیکھ کر ہر شخص یہ سمجھے کہ ملت ابراہیمی کا صحیح معنوں میں فرزند اور حضور کا سچا امتی ہے اور دوسروں سے کچھ مختلف قسم کا آدمی ہے اس کے نفع و ضرر کے پیمانے اور کامیابی و ناکامی کے معیار جدا ہیں اس کو دیکھنے والے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہیں

ان کے دل میں بھی اس کا شوق پیدا ہو کہ وہ اس نعمت میں شریک اور حصہ دار ہوں، ایک بیکار اور معطل قوم کے بجائے جو بیٹھی گویوں اور تمناؤں کی دنیا میں رہتی ہے ہماری ملت کے ہر فرد کو خیال اور متحرک ہونا ہے۔ نہ کسی کارخیر میں مشغول اور منہمک، خلق خدا کا ہمدرد اور اپنے ملک کے لئے مفید و کارآمد ہونا چاہئے اس کو آپس کی نااتفاقیوں، انتشار اور قیادت کی لڑائی سے ہمیشہ کے لئے فرصت پا کر جان و دل کے ساتھ اسلام کی دائمی و عالمگیر، آفاقی اور انسانی و اخلاقی بنیاد پر ملت کی تعمیر میں لگ جانا چاہئے۔

جن ہاتھوں نے کسی زمانے میں بیت اللہ کی تعمیر کی تھی وہی ہاتھ آج پوری انسانیت کی تعمیر کر سکتے ہیں لیکن یہ کام انہیں مسلمانوں کے ہاتھوں انجام پا سکتا ہے جو پہلے اس ذمہ داری اور اس فرض منصبی کو اچھی طرح سمجھتے ہوں جس سے اللہ تعالیٰ نے سرفراز فرمایا ہے۔

ملت افراد کے مجموعہ کا نام ہے: ہم میں سے ہر شخص کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کی درستی ساری ملت کی درستی ہے، ملت کی درستی کا انتظار چھوڑ کر ہمیں اپنی خود اپنی درستی میں لگ جانا چاہئے، یہی ملت کی اصلاح اور تعمیر و ترقی میں ہمارا صحیح حصہ اور نبوت محمدی کی بارگاہ میں ہمارا دینی خراج ہے۔

اسلامی سیرت و کردار کی صحیح ترجمانی اور اس کی عملی تفسیر اور زندہ تصویر خود اتنی پرکشش ہے کہ وہ آج بھی دلوں کو موم کر سکتی اور دشمن کو دوست بنا سکتی ہے اور حالات میں ایسی انقلاب انگیز تبدیلی پیدا کر سکتی ہے کہ جس کا پورا تصور کرنا بھی اس وقت ہمارے لئے مشکل ہے۔

اس لئے پاکستان و ہندوستان اور ایران و توران کے قصے چھوڑ کر مسلمانوں میں حرکت اور زندگی کی ایک نئی لہر پیدا کیجئے، شکوہ و شکایت کا دائرہ چھوڑیئے، اس خدا سے سچا تعلق اور اس کی مکمل اطاعت کا جذبہ پیدا کیجئے، جس کے قبضۂ قدرت میں سارے زمین و آسمان ہیں اور جس کا ایک اشارہ پوری دنیا کی قسمت بدل دینے کے لئے کافی ہے۔ جس کے ہاتھ میں عزت و اقبال کی کنجی ہے اور جس سے فائدہ اٹھانے کی تدبیر ایک شرط ہے ایمان، عمل صالح، اور دین کے لئے جہد مسلسل اور جد وجہد۔

انسان کی فطرت پر اعتماد کیجئے: محبت، خدمت، ہمدردی، پاکیزہ کردار انسان کی فطرت وہ کیا ہے جو پہلے تھی

قرآن کا پیام

(از مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی)

مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۖ وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝ إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِّنكُمْ ۖ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا ۗ قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝

بعض تم میں وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے اور بعض تم میں ایسے تھے جو آخرت چاہتے تھے پھر اللہ نے تم کو ہٹا دیا تاکہ تمہاری (پوری) آزمائش کرے اور اللہ نے یقیناً تم سے درگزر کی اور اللہ ایمان والوں کے حق میں بڑا فضل والا ہے (وہ وقت یاد کرو) جب تم چڑھے جا رہے تھے اور مڑ کر بھی کسی کو نہ دیکھتے تھے اور رسول تم کو پکار رہے تھے تمہارے پیچھے کی جانب سے، سو اللہ نے تمہیں غم دیا غم کے پاداش میں تاکہ تم رنجیدہ نہ ہوا کرو اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس مصیبت سے جو تم پر پڑے، اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے۔ پھر اس نے اس غم کے بعد تمہارے اوپر راحت نازل کی (یعنی) غنودگی کہ اس کا تم میں سے ایک جماعت پر غلبہ ہو رہا تھا اور ایک جماعت وہ بھی کہ اسے اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی یہ اللہ کے بارے میں خلاف حقیقت خیالات جاہلیت کے قائم کر رہے تھے، یہ کہہ رہے تھے کہ ہمارا بھی کچھ اختیار چلتا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اختیار تو سارا اللہ کا ہے یہ لوگ دلوں میں ایسی بات چھپائے ہوئے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں کہ کچھ بھی ہمارا اختیار چلتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے (جب بھی) وہ لوگ جن کے لئے قتل مقدر ہو چکا تھا اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل ہی پڑتے اور (یہ سب اس لئے ہوا) کہ اللہ تمہارے باطن کی آزمائش کرے اور تاکہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے صاف کر دے اور اللہ باطن کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔

(اور اسکا لے مضیبت کی لوٹ میں پڑ گئے)

اشارہ ہے، بر جلد باز تیر اندازوں کی طرف ہے۔

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ یہ لوٹ بھی بنی بر مقصد دینی دشمنانِ دین کی شکست ہی پر تھی اس لئے ایسی دنیا طلبی بھی نامذموم نہیں، یہاں برائے اس لئے نہیں ٹھہرایا گیا کہ اس میں مخالفت کی تھی حکم رسول کی گو وہ بھی اجتہاداً ہی تھی۔

احد کی پہاڑی شہر مدینہ کے شمال میں شہر سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر واقع تھی، اور شہر تک غیر آباد پھیلی ہوئی تھی شمالی جوٹی جبل ثور کہلاتی تھی، شمالی علاقہ کھلا ہوا تھا۔ مگر اس میدان کی زمین شور ہو جانے کی وجہ سے اس میں زراعت نہیں ہو سکتی تھی۔ مشرکین مکہ نے مسلمانوں پر اسی راستے سے حملہ کا ارادہ کیا اور جنوب کے راستے کو جو دشوار گزار پہاڑیوں اور گھاٹیوں سے گذرتا ہے۔ استعمال نہیں کیا اس میں لاوے کے پتھر اس طرح حائل ہیں کہ قافلے والے بھی اسے استعمال نہیں کرتے۔ ...... اس پہاڑ سے صرف ایک دشوار گزار پگڈنڈی گزرتی ہے، جو نصف کی شکل کی وادی سے ہو کر اس کی بلند چوٹیوں تک چلی گئی ہے یہ وادی ایک سطح و مرتفع میدان ہے جس میں دو چشمے بہتے ہیں۔ اسی وادی میں ایک چھوٹا سا ٹیلہ ہے، جسے ان چشموں کی وجہ سے جبل عینین کہتے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے یہاں تیر اندازوں کا دستہ متعین فرمایا تھا۔ (مدینہ دفاع از میجر جنرل محمد اکبر خاں صفحہ ۱۸۰)

یہی وہ تیر انداز تھے جو فتح نبوی کے تا آخر منتشر ہو کر آخر تک اپنی جگہ پر قائم رہے ان پر جلد بازی اس قدر غالب تھا کہ وادی کی زمین سے پڑی تحریک و ترغیب بھی انہیں جگہ سے نہ ہٹا سکی۔

(ایک عارضی و ہنگامی شکست کے ذریعہ)

یہ ثبوت ہے صحابۂ نبوی پر کمال رحمت کا۔ اور یہاں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ عارضی شکست بھی غضب الٰہی یا عذاب کی کوئی فرد نہ تھی بلکہ اس سے بھی مقصود صحابہ کی قوت ایمانی کا مزید امتحان ہی تھا۔

ثم صرفکم عنھم یعنی جب تم میں عدم ثبات و تزلزل پایا تو اللہ نے اپنی وہ آسمانی امداد و نصرت روک لی اور تمہیں مخالفین کے مقابلہ میں شکست سے دوچار کر دیا۔

(اس لئے اب مواخذہ آخرت کا کھٹکا نہیں)

کیا ٹھکانا ہے مومنین پر بالعموم اور صحابۂ رسول پر بالخصوص شفقت کا۔ اور کن عنوانات سے تسلی دی جا رہی ہے!

(کرادھر ادھر میں دوڑ گئے)

یہ بیان ہو رہا ہے میدان سپاہ کی بھگدڑ اور شدت بدحواسی کا۔ اور واقعی بات ہے کہ جب فوج میں بھگدڑ پڑتی ہے تو ایسی ہی بدحواسی پھیل جاتی ہے نفسی نفسی کا عالم ہوتا ہے کوئی کسی کی نہیں سنتا ہر ایک کو اپنی ہی جان بچانے کی فکر پڑ جاتی ہے۔

اذ تصعدون یعنی جب بھاگے ہوئے چڑھے جا رہے تھے۔

والرسول یدعوکم۔ رسول اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام علاوہ اپنے دوسرے کمالات و فضائل کے ہمت و شجاعت میں بھی فرد اور بے عدیل تھے حال کے ایک جنگی مورخ کے الفاظ میں اس پورے معرکہ میں اسلامی جھنڈا کسی وقت بھی سرنگوں نہیں ہوا جھنڈے کو دائیں رکھنے اور آنحضرت صلعم کی جان کی

حفاظت کے لئے غزوۂ احد میں مجاہدین نے جس جانبازی اور ایثار کا ثبوت دیا، وہ ابد تک یاد رہے گا...... آنحضرت صلعم بھی انتہائی ماندہ اور زخمی ہونے کے باوجود دشمن سے برابر لڑتے رہے بجائے سے لڑنے میں آپ نے اس کمال کا ثبوت دیا کہ مسلمانوں کی ہمتیں دوچند ہو گئیں۔ لوٹ مار میں مشغول اور تیر اندازوں کے مورچے سے ہٹ جانے کی وجہ سے لشکر اسلام کو سخت نقصان پہنچا تھا۔ مگر آپ انتہائی مستقل مزاجی سے باقی آدمیوں کو ساتھ لے کر جنگ کرتے رہے (حدیث دفاع صفحہ ۱۸۱)

یعنی اس رنج کے عوض میں جو تمہاری ذات سے رسول اللہ صلعم کو اٹھانا پڑا تھا تمہیں بھی ایک رنج دے دیا گیا۔

(اور اسی باخبری کے مطابق جزا و سزا بھی دے گا)

الکیلا تحزنوا الخ یہ اشارہ ہے ان حکمتوں اور مصلحتوں کی جانب جو اس واقعۂ شکست میں پوشیدہ تھیں۔

یعنی۔ یعنی تاکہ آئندہ کے لئے اس واقعہ سے سبق لو اور ہمت و استقلال کو کام میں لاتے رہو۔

مسلمان تو تھکے ماندے تھے ہی، تو دوپہر کے وقت ان پر نیند کا غلبہ ہوا۔ اس سے تازہ دم ہو گئے تھکی ہوئی فوج کو نیند جیسی نعمت میسر آ جانے کی قدر کوئی خستہ و ماندہ اہل فوج ہی کے دل سے پوچھے۔

(اور مسلمانوں سے محبت دلکوار کر دے یہ کہ تم نے جو وعدہ فتح و نصرت کیا، وہ کیا ہوا)

مراد منافقین ہیں ...... مسلمانوں کے ساتھ لگے چلے ہوئے تھے۔

(باقی صفحہ پر دیکھئے)

اور اچھے اعمال، آج بھی اس کے نگاہ میں اسی طرح قابل احترام ہیں جس طرح پہلے تھے۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے بازار اور نیلام کی اس منڈی میں، جہاں اصول و کردار کوڑیوں کے مول فروخت ہوتے ہیں وہاں ان چیزوں کا اب کوئی خریدار نہیں، لیکن حق تو یہ ہے کہ سودا جتنا کم ہوتا ہے اس کی اہمیت اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے، بیمار قوموں کی زندگی میں ایسے دور بھی کبھی آتے رہتے ہیں، جب ان کے منھ کا مزہ بگڑ جاتا ہے اور یہ سارے حقائق ان کے لئے بے معنی اور بے قیمت ہو جاتے ہیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ ہمارا دین ابھی اس منزل پر نہیں پہونچا ہے، یہاں محبت کی ایک صدا اور خلوص کی ایک ادا اب بھی دلوں کو تسخیر کرنے اور لوگوں کو اپنا اسیر بنانے کی طاقت رکھتی ہے آج پوری انسانیت آب حیات کے ایک ایک گھونٹ کو ترس رہی ہے اگر مسلمان آگے بڑھ کر اپنے قول و عمل، اور سیرت و کردار سے اپنے اسی عمل اور دلکش امن کا صحیح مظاہرہ کریں جس میں یہ تمام انسانی و اخلاقی خوبیاں جمع ہیں اور جس نے ہر دور میں انسانوں کی رہنمائی اور بیماروں کی مسیحائی کی ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے آج یہ نسخۂ شفا ہماری جاں نوازی اور مسیحائی سے انکار کردے۔

بنیادی تبدیلی:- لیکن اس کے لئے مسلمانوں کو سب سے پہلے اپنے کو مخاطب کرنا ہوگا، اپنے مصائب کا ذمہ دار دوسروں کے بجائے خود اپنے کو قرار دینا ہوگا، اور اپنے اندر ایک بنیادی تبدیلی پیدا کرنی ہوگی۔

جاھدوا فی اللہ حق جہادہ ھو اجتباکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج

اللہ کے راستہ میں اس طرح بھرپور کوشش کرو جیسا کوشش کرنے کا حق ہے اس نے تمہارا انتخاب فرمایا اور تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں کی۔

یعنی ملت کی صلاح و فلاح اور حالات میں تبدیلی کی بھرپور کوشش میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی یا کمی نہ ہو، مسلمان بلا استثناء ———— اس کو اپنا اولین فریضہ سمجھے اور اپنے تمام تعلقات، مفادات اور تمام دلچسپیوں یا رواجوں کو اس کا تابع بنائے آیت کے دوسرے جزء وما جعل علیکم فی الدین من حرج میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ ہم دین کے اس کام کو پہاڑ نہ سمجھیں، ہم سے کسی ایسی بات کا مطالبہ نہیں کیا جا رہا ہے جو ہماری طاقت سے باہر ہے، اللہ تعالیٰ نے دین میں کسی قسم کی تنگی دشواری اور پیچیدگی نہیں رکھی ہے۔ آج خدا کے احکام کی بجا آوری اور شریعت و سنت پر عمل کرنے کو جتنا ناقابل عمل اور دشوار سمجھا جا رہا ہے وہ دراصل خود ساختہ اور ہمارے ذہن و دماغ کی پیداوار ہیں، اگر مردانہ وار ایک قدم بھی اٹھایا جائے گا تو راہ حق کی یہ ساری مشکلات انشاء اللہ خود بخود دور ہوتی جائیں گی اور جن باتوں کو ہم بہت دشوار سمجھ رہے تھے وہ نہایت آسان نظر آئیں گی۔ لیکن یہ اسی وقت ہوگا جب جاھدوا فی اللہ حق جہادہ کی پہلی شرط ہم پوری کر دیں گے۔

یعنی ہر مسلمان خواہ وہ کسی سطح و معیار پر ہو اپنی زندگی کا ایسا نمونہ پیش کرے جس کو دیکھ کر لوگ اسلام کی خوبیوں اور اس کی امتیازی خصوصیتوں سے آگاہ ہو سکیں، اس کے ماحول میں اگر کوئی گندگی یا فساد ہے تو اسے دور کرنے کا ذمہ دار سب سے پہلے اپنے کو قرار دے، وہ بغیر کسی فخر و تکبر کے یہ سمجھے کہ ہر مسلمان اپنی جگہ پر روشنی کا ایک مینار ہے اس کو خدا نے سب سے پہلے خود اپنے احتساب اور اس کے بعد دوسروں کے احتساب کے لئے پیدا کیا ہے۔ ع

"ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات"

اس پر ہمہ وقت یہ ذمہ داری ہے کہ شادی غمی میں، ملاقاتوں اور مجلسوں میں، دفتروں اور دکانوں میں کسی جگہ یہ فراموش نہ کرے کہ اس کا اپنا بھی ایک فرض ہے جو ملت کے اجتماعی فرض کی اساس اور بنیاد ہے اس لئے کہ اگر وہ اس میں کوتاہی کرے گا تو اس کا نقصان خود اس کو اور اس کے ساتھ ساری ملت کو اٹھانا پڑے گا۔

اگر تاجر ہے تو اس کو امانت دار اور ہمدرد تاجر ہونا چاہیئے اور یہ کوشش کرنا چاہیے کہ یہ امانت اور سچائی اس کے دوسرے ہم پیشہ افراد میں عام ہو، ملازم ہے تو اس کو فرض شناس، ایمان دار محنتی ہونا چاہیئے، اگر افسر ہے تو اس کو اپنے دل میں حلال و حرام کی اور حق و ناحق کا پورا خیال رکھنا چاہئے اور خدا اور بندوں

کے جو حقوق اس پر عائد کئے گئے ہیں ان کو پورا کرنا چاہیئے، غرض ہم میں سے ہر فرد کو اس بات کی فکر ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے دائرۂ عمل اور ماحول میں دین کی خدمت کس طرح کر سکتا ہے اور اس عظیم ذمہ داری سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتا ہے، جو امت محمدیہ کے ہر فرد پر عائد کی گئی ہے۔

ان آیات میں تین چیزوں کا خصوصیت سے ذکر ہے، نماز، زکوٰۃ، اور اعتصام باللہ یعنی اللہ کے ساتھ گہرا اور سچا تعلق، یہ تین باتیں گویا اس کے سفر کے لئے سنگ میل اور نشان راہ ہیں جن کے بعد گمراہی یا ناکامی کا انشاء اللہ کوئی سوال نہیں۔

یہ پروگرام ہے جس کے نتیجہ سے بھی اللہ تعالیٰ نے ہم کو آگاہ کر دیا ہے۔ یعنی

ھو مولاکم فنعم المولیٰ ونعم النصیر

اگر ہم نے یہ کر لیا تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی کارسازی اور بندہ نوازی غیب سے ہماری نصرت، حفاظت اور عزت کا سامان کرے گی، اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ مشکل کشا اور کارساز اور حامی و مددگار اور کون ہو سکتا ہے۔

کوٹھاری کمیشن:- دینی تعلیمی کونسل اور انجمن تعلیمات دین اضلاع کی جد و جہد نے حالات کو بہت حد تک سنبھال لیا ہے، لیکن ایک اور صورت حال سامنے آرہی ہے۔ حکومت ہند نے ۱۹۶۴ء میں ایک اعلیٰ اختیار کمیشن مقرر کیا تھا جو کوٹھاری کمیشن کے نام سے پکارا جاتا ہے، کیونکہ یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کے صدر مسٹر کوٹھاری اس کے صدر تھے۔ اس کمیشن نے ۱۹۶۶ء میں اپنی رپورٹ پیش کی جس کی دو سفارشات قابل غور ہیں بلکہ اگر کہا جائے کہ تشویشناک ہے تو بیجا نہ ہوگا ایک یہ کہ ایسا قانون بنایا جائے کہ کسی تعلیم گاہ کو حکومت کی منظوری کے بغیر چلانا قابل جرم قرار دیا جائے۔ دوسری سفارش یہ ہے کہ ہر محلے اور ہر گاؤں میں ایک سرکاری اسکول پڑوسی اسکول کے نام سے قائم کیا جائے اور ۶ برس سے ۱۴ برس کے ہر لڑکے اور لڑکی کا اس اسکول میں پڑھنا لازم قرار دیا جائے۔ ان سفارشات کی بنا پر ہمارے مکاتب اور عربی مدارس کا قیام حکومت کی منظوری کا محتاج ہوگا۔ اگر حکومت نے یہ سفارشات منظور کر لیں تو اس کے نتائج دینی تعلیم پر کیا ہوں گے اگر گویم زباں سوزد۔

(خطبہ صدارت ضلع دینی تعلیمی کونسل منعقدہ ۱۹ مارچ ۱۹۶۷ء) (سید محمد حسین اینڈ برکت)

بقیہ قرآن کا پیام

اس کے لئے خطاب بھی ان سے اکثر مسلمانوں کے ساتھ مشترک ہی ہے۔

اھمتھم انفسھم یعنی اس قسم کے سوچ بچار کر دیکھئے کہ یہاں سے بچ کر بھی جانا ہوتا ہے۔ اپنی جان کی فکر بجائے خود کوئی بری چیز نہیں۔ اگر یہ امر طبعی کے درجہ میں رہے، یہاں مراد یہ ہے کہ ان منافقین کو اپنی ہی پڑی تھی اور طبعاً نہ دین کی کوئی فکر تھی، نہ رسول کا کوئی خیال تھا۔

یظنون غیر الحق۔ اللہ کے متعلق ان کی یہ بدگمانیاں خلاف واقعیت درحقیقت تھیں انھوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ مومنین کو نصرت حق و تائید غیبی نصیب نہ ہوگی۔

ظن الجاھلیۃ۔ اس سے بھی بڑھ کر ان کے خیالات اس حد تک پہنچ گئے تھے جو مشرک اور جاہلی قوموں کے ہوتے ہیں۔ ان منافقین کے نزدیک یہ بھی ممکن تھا کہ اللہ کسی سے وعدہ تائید و نصرت کرے اور اسے پورا نہ کرے، ایسے عقائد مشرک قوموں میں عام تھے۔

الجاھلیۃ، جاھلیہ۔ محاورۂ قرآنی میں اسلام سے قبل کا دور شرک ہے۔ یہ جاہلیت توحید کے منافی ہے۔

(ورنہ ہم تو شروع ہی سے اس جنگ سے منع کر رہے تھے کسی نے ہماری نہ سنی، ہماری سن لی گئی ہوتی تو آج یہ مصیبت ہی کیوں پیش آتی)

یہ منافقین اپنی خفت و ندامت مٹانے کے لئے کہہ رہے تھے۔

اور قضا، الہی بر انسانی تدبیر پر غالب حاکم ہے بلاغت قرآنی کا ایک عام انداز ہے کہ جزئیات کے ضمن میں کلیات بھی بیان کر جاتا ہے چنانچہ یہاں بھی اس حقیقت کا اعلان ہو رہا ہے کہ ایک واقعہ نصرت ہی پر کیا موقوف ہے اختیار تو ہر چھوٹے بڑے مسئلہ میں اللہ ہی کا ہے۔

یعنی کفر و نفاق۔ اسی کو رسولؐ اور مومنین سے مخفی رکھنے کا تو خاص اہتمام ان منافقین کو تھا۔

یعنی اگر ہمارے مشورے پر عمل ہوتا تو نہ لڑائی کی نوبت آتی اور نہ اس شکست اور نہ اتنے مقتولین کی

مطلب یہ کہ احکام تکوینی تقدیری سے باہر رہنا کسی کے لئے کسی صورت میں ممکن نہیں، کوئی ظاہری سبب بھی مقتولین تک ان کے کھنچ آنے کا ضرور نکل آتا۔

مشرق اوسط کی ڈائری

قسط ۱۰

غزوہ بدر کی دعا میں حضورؐ نے وہ حقیقی مقصد بیان فرما دیا جس کے لئے مسلمان قوم وجود میں آئی

تحریر: مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

ترجمہ: شمس الحق ندوی

۲۹ / ۵ / ۸۰ مطابق ۹ / ۳ / ۶۱

جنرل محمد صالح حرب سے گفتگو:-

آج صبح ساڑھے نو بجے ہم لوگ حسب قرار داد پروگرام کے مطابق جنرل محمد صالح حرب کے پاس گئے اور مصر کی علمی و دینی شخصیتوں کے بارے میں ایک گھنٹہ تک بیٹھ کر گفتگو کی۔ انھوں نے مصری علماء کی دنیا داری اور ان میں علم و خدمت دین کی لگن اللہ اور اس کے دین کی خاطر غصہ و بیزاری کا جذبہ نہ ہونے پر تنقید کی۔ میں نے تقسیم کے بعد ہندوستانی مسلمان جس انتشار و مایوسی، دین و اخلاق میں جس ضعف و تنزل کی مصیبت میں پڑے اس کا ذکر کیا پھر دینی داعیوں نے جو خدمت انجام دی اور دین و صحیح اسلامی دعوت کے لئے یکسو ہو کر جس لگن کے ساتھ کام کیا اور ان پیش آنے والے حالات کا جس طرح مقابلہ کیا اور مسلمانوں میں امید و اعتماد پیدا کرنے اور قوم کے ہر طبقہ سے رابطہ قائم کرنے کی جو جد و جہد کی۔ اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے دلوں اور اخلاق پر جو اثر پڑا اس کو اچھی طرح بیان کیا۔ ان محترم کو یہ گفتگو بہت پسند آئی اور انھوں نے تمنا ظاہر کی کہ کاش یہی نشاط علمائے مصر اور ازہر کے لوگوں میں ہوتا، میں نے ان سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ آپ ازہر کے بڑے علماء اور ان لوگوں کو جن کا اثر و رسوخ ہے نیز ایسے حضرات جن میں آپ فکر و نشاط محسوس کرتے ہیں انکو جمع کریں تو میں ان سے اس زمانہ میں دین علم کے لئے جو خطرات چھائے ہوئے ہیں ان کو میں ان سے بیان کروں۔ ان کے حل میں ان مشکلات کا میرے نزدیک جو حل ہے اس کو پیش کروں۔ نیز ان خطرات کے دور کرنے اور نئی دینی تحریک کو چلانے کا طریقہ بیان کروں انھوں نے اس طریقہ فکر سے اتفاق رائے ظاہر کیا اور اس کو سراہا وہ شیخ حسنین محمد مخلوف سے ملنے، انھوں نے شام کو آنے کا وعدہ کیا ان کی مجلس میں رسالہ "الشبان المسلمین" کے اڈیٹر اور جمعیۃ کے ناظم ڈاکٹر یحییٰ احمد دردیری سے ہمارا تعارف ہوا انھوں نے اپنی تصنیفات میں سے کچھ کتابیں ہم کو ہدیہ کیں۔

دار الشبان المسلمین میں:-

مغرب بعد ہم لوگ جمعیۃ الشبان کے دفتر حاضر ہوئے جنرل محمد صالح حرب کے پاس شیخ عبد اللطیف دراز اور استاذ محمود محمد شاکر اور کچھ دوسرے لوگوں کو پایا۔ کچھ دیر بعد اشتراکی پارٹی کے صدر استاذ احمد حسین اور شیخ محمد مخلوف شیخ احمد الشرباصی آئے اور وہ لوگ مصروف ہو گئے ان تجاویز کو نافذ کرنے کے لئے کمیٹیاں بنانے میں جو کل کے جلسے نے پاس کیا تھا پھر میری طرف جنرل صالح حرب متوجہ ہوئے اور ہم دونوں الگ بیٹھ گئے ان محترم نے مجھے بتایا کہ انھوں نے مدعوین کی ایک فہرست تیار کر لی ہے جس میں ازہر کے بڑے بڑے علماء شامل ہیں ان لوگوں کو جمعیۃ کے مرکز میں میرے اعزاز میں دو شنبہ کو چائے پینے کی دعوت دی گئی ہے۔ میں نے اس ذرہ نوازی پر ان کا شکریہ ادا کیا۔

استاذ محمود محمد شاکر کے ساتھ:-

استاذ محمد شاکر کے علم اور تحقیق کے متعلق مجھے جو معلومات تھیں ان کی بنا پر میں چاہتا تھا کہ ان سے ملاقات ہو میری یہ بھی خواہش تھی کہ میں ان سے ملوں اور اپنی کتاب "ماذا خسر العالم" کا ایک نسخہ ان کو ہدیہ کروں خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ بغیر کسی پروگرام کے ان سے ملاقات ہو گئی۔ وہ بڑی کشادہ دلی سے ملے اور مجھ سے مانوس ہوئے انھوں نے بتایا کہ وہ میری کتاب "ماذا خسر العالم" پڑھ چکے ہیں اس کو بہت پسند کیا خاص کر باب "العصر الجاهلي" کو سب سے زیادہ پسند کیا اور تجویز کی کہ اس موضوع پر میں ایک مستقل کتاب لکھوں اور جب ان کو معلوم ہوا کہ ہمارا ترکی کے سفر کا ارادہ ہے تو مصری سفارت خانہ کے مشیر استاذ یحییٰ حقی سے ملنے کی دعوت دی جو ان کے اس وقت مہمان تھے۔

شیخ محمد حسنین محمد مخلوف:-

اسی طرح شیخ حسنین محمد مخلوف سے بھی ملاقات ہو گئی ہم لوگوں نے جمعہ کو حلوان میں ان سے ملنے اور انھیں کے ساتھ جمعہ پڑھنے کا پروگرام طے کر لیا تھا۔ لیکن چونکہ جمعہ کے دن کئی وعدوں کی وجہ سے مشغولیت تھی اس لئے اس پروگرام میں تبدیلی ہوئی اور میں نے ان سے معذرت کر دی لیکن ان سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا دراصل وہ بھی ان لوگوں میں ہیں جو مجھے پسند آئے اور جن میں میں نے علم و صلاح سنجیدگی، اخلاق پختگی و خوش خلقی دیکھی۔

یکم جمادی الثانی ۸۰ھ مطابق ۹ / ۳ / ۶۱ء

جمعہ ہم لوگوں نے مسجد مولد میں پڑھا، ہماری جائے قیام سے یہی قریب کی مسجد ہے ہم چاہتے تھے کہ ایسی مسجد میں جمعہ پڑھیں جو پر سکون اور شور و غوغا سے خالی ہو اس مسجد میں ہمیں سورۂ کہف کو باواز بلند اور لحن کے ساتھ پڑھنے کے سوا کوئی اور ناپسندیدہ چیز نہیں نظر آئی (الاخوان المسلمین) کی مسجد کے علاوہ یہ مصر کا ایک طریقہ اور رواج چلا آرہا ہے مؤذن امام سے پیچھے فاصلہ پر کرسی کی ایک چھوٹی سی چوکی پر بیٹھا ہوا تھا دونوں خطبوں کے درمیان کوئی وظیفہ پڑھتا تھا جس کو ہم نہیں سمجھ سکے۔

جمعیۃ مکارم اخلاق میں:-

ہم لوگ استاذ جلال حسین کے جلسہ میں شرکت کی غرض سے جمعیۃ مکارم اخلاق گئے جہاں انھوں نے اپنے بعض دوستوں اور اسلامی جماعتوں کے سربراہوں کو ہم سے ملنے کے لئے بلایا تھا کہ میں دین کے سامنے ہندوستان میں دینی دعوت کے طریق کار کی تشریح و وضاحت کروں۔ ٹی پارٹی کے بعد میری تقریر تھی جس کا موضوع تھا "رسالۃ المسلمین فی ہذا العصر"

علماء اور دینی انجمنوں کے صدر حضرات کے ساتھ

اس جلسہ میں شباب سیدنا محمد کے صدر استاذ حسین یوسف ان کے ساتھی استاذ عبد الوہاب اور جمعیۃ الشرعیۃ المحمدیۃ کے صدر استاذ ذکی ابراہیم، الشبان المسلمین کی انجمنوں کے صدر عمومی جنرل صالح حرب، شیخ احمد الشرباصی جمعیۃ شرکت کرنے والے شاعر استاذ صاوی شعلان، مولانا سید بشیر الحق اور جمعیۃ مکارم الاخلاق کے بعض اراکین شریک ہوئے استاذ صاوی شعلان علماء ہند کی خوبیاں اور ان کے مثنوی کا ذکر کرنے لگے ڈاکٹر محمد اقبال، مولانا سید سلیمان ندوی، اور مولانا شبلی نعمانی کا خاص ذکر کیا ان حضرات کی کتابوں کا مطالعہ اور ان سے گہری دلچسپی کا اظہار کیا اور ان حضرات کے بارے میں جو مضامین و مقالات نشر کئے گئے ہیں ان کا ذکر کیا شیخ جلال حسین نے جلسہ کا آغاز کرتے ہوئے مجھے تقریر کی طرف بڑھایا اور ہندوستان میں دینی دعوت و تحریک کا ذکر کیا جس کی وجہ ہم لوگوں کے اس کام سے لگاؤ اور تعلق کی وجہ سے مصر میں "الدعوۃ الندویۃ" کہتے ہیں جس کا سبب ہم لوگوں کے ناموں کے ساتھ لفظ ندوی کا لگا ہونا ہے جو ندوۃ العلماء سے انتساب کو ظاہر کرتا ہے انھوں نے اس دعوت سے اپنے گہرے تعلق اور ہند و پاک کی بعض شخصیتوں سے ملاقات کا ذکر کیا اس کے بعد ہم لوگ اس ٹی پارٹی میں شریک ہوئے جانے سے فارغ ہو کر میں نے گفتگو شروع کی اور کہا کہ ہندوستان عالم عربی کی تربیت کے منصب بلند پر نہ تھا اور نہ ہے۔

خصوصاً مصر کی رہنمائی کے منصب پر جو کہ علم اور دینی تحریکوں سے بھرا ہوا ہے لیکن آخری عہد میں کچھ حالات اور واقعات کی بنا پر ہندوستان کو امتیاز حاصل ہوا اور دعوت نے ہندوستان میں دینی نشاۃ ثانیہ کو توجہ پیدا کی، جس کے اثر سے ہندوستان کو اہم نتائج حاصل ہوئے، اور وہاں کے لوگ ایسے طریقہ کار اور نظام کو برتنے کی توفیق پائی جو ہر اسلامی ملک میں اختیار کرنے کے لئے مطالعہ اور توجہ کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ہندوستان اور عرب ملکوں کی مثال: بلا شبہ ہندوستان اور عرب ملکوں کی مثال ان دو بچوں کی سی ہے جن میں سے ایک بچہ ماں باپ کے زیر سایہ ان کی پیار و محبت کی گود میں پلتا ہے اپنے ماں باپ کے زیر سایہ ناز و نعم میں جوان ہوتا ہے اور اس کو زندگی کے بہتر مواقع حاصل ہوتے ہیں اس کو غور و فکر اور جدت کی ضرورت نہیں پڑتی اور وہ پرسکون اور اطمینان قلب کے ساتھ نشو و نما پاتا ہے۔

یہ ان ملکوں کی مثال ہے جو اپنی ذاتی حکومتیں رکھتے ہیں دوسرا بچہ غریب و بے سہارا ہے اس کو ماں باپ کے ورثہ میں کچھ نہیں ملا اب وہ خطرے کی خود پر سوچے اور خطرات مول لینے کی جد و جہد اور اپنے ارادے و قوت کے بل بوتے پر زندگی میں راہ پیدا کرنے پر مجبور ہوتا ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ کامیابی و کامرانی کی اس منزل سے ہمکنار ہوتا ہے جس کو مالداروں اور حکام کے لڑکے نہیں حاصل کر پاتے ہیں یہی مثال ہندوستان کی ہے۔ اب اگر ہندوستان کی دینی ترقی اور اس کی اسلامی تحریکات میں کوئی ایسی چیز ہے جو نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے اور قدر و تقلید کا استحقاق رکھتی ہے تو اس کا سبب یہی ہے۔

پھر میں نے ان اسباب کو بیان کیا اور ان کی وضاحت کی جنھوں نے ہندوستان کو دینی دعوت کے بارے میں کچھ اور نئے تجربات کی طرف پہنچایا۔

کچھ مشترک و مختلف باتیں: پھر میں نے اس عام دینی دعوت کی نشو و نما کی اساسی اور ابتدائی چیزوں کا ذکر کیا اس کے بعد اس دعوت اور عالم اسلام و عرب ممالک کی اصلاحی دعوتوں میں جو چیزیں مشترک ہیں یا اس دعوت سے مختلف و الگ ہیں ان کا ذکر کیا جو چیزیں مشترک ہیں ان کو تو میں نے چھوڑ دیا اور جو چیزیں مختلف و الگ ہیں ان کی وضاحت و تشریح کی۔ منجملہ ان باتوں کے جس میں یہ ہندوستان کی دینی دعوت ممتاز ہے مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کے بیج بونے اور اس کی فکر کرنے کو سب سے مقدم رکھنا ہے پھر بغیر کسی انتظار و تاخیر کے عوام کے پاس خود جانا اور ان میں اسلام کے عہد اول کے طریقہ اور اس زمانہ کے داعیوں کے طرز پر دعوت کو پھیلانا۔ میری گفتگو کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ فضا میں موذن کی صدا گونجی اور میں نے اپنی تقریر جاری رکھی پھر یہ طے ہوا کہ اس تقریر کی تکمیل منگل کے دن (جمعیۃ الشبان المسلمین) میں اسلامی انجمنوں کے سربراہ لوگوں کی موجودگی میں ہو ہم لوگ نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اسی وقفہ میں سامعین بھی آگئے مغرب بعد استاذ احمد عثمان نے جلسہ کا افتتاح کیا اور استاذ جلال الحسینی کی صدارت میں جمعیۃ کے نئے عہد کا جس طرح آغاز ہوا اپنی سابقہ جد و جہد کا جس طرح اس نے اعادہ کیا اس کو انھوں نے سراہا ان کے بعد شیخ جلال حسینی نے تقریر کی۔

جمعیۃ میں میری تقریر (عہد حاضر میں مسلمانوں کا پیغام) اس کے بعد مجھ سے فرمایا کہ میں اپنی تقریر شروع کروں۔

میری تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں ایک تو فطری پیدائشی پہلو ہے یہ وہ پہلو ہے جو ہر انسان کے لئے ضروری قرار دیتا ہے کہ وہ کھائے پیئے اور روزی حاصل کرے بیمار ہو تو دوا علاج کرے علاوہ ازیں انسانی زندگی کی دوسری فطری اور طبعی چیزیں۔

اور دوسرا پہلو ایمان کا پہلو ہے اور وہ ہے احکام کا اپنے خالق سے لینا اور اس پر عمل کرنا، انسان یہ سمجھے کہ کیا کھانا حرام ہے اور کیا حلال، کہاں سے کمائیں اور کمانے روزی حاصل کرنے اور مال جمع کرنے کا شرعی طریقہ کیا ہے۔ اور وہ کون سے طریقے جن کا اختیار کرنا ممنوع ہے اس زندگی کا مقصد کیا ہے، اس عالم کا انجام کیا ہوگا کس چیز سے اللہ خوش ہوتا ہے اور کس بات سے ناراض ہوتا ہے۔ انبیاء کرام انسانی زندگی کے پہلے رخ کو بیان کرنے کے لئے نہیں بھیجے گئے، یہ تو ایک فطری پہلو ہے انسان اپنی فطری صلاحیت کی بنا پر ان کو معلوم کر لیتا ہے اور واقف ہو جاتا ہے (واوحی ربك الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا) اور تمہارے رب نے شہد کی مکھیوں کو سمجھایا کہ تو پہاڑوں میں گھر بنا۔ انبیاء کرام اس کے اندر نشاط و سرگرمی پیدا کرنے اور اس کی طرف زیادہ توجہ دینے پر ابھارنے کے لئے نہیں بھیجے گئے، دنیا ایمان کے خلاف اس پہلو کی بغاوت و سرکشی کو برابر جھیلتی رہی بارہا یہ پہلو زیادہ وسعت اختیار کر گیا اور ایمانی پہلو کی حق تلفی کرتے ہوئے پھیل گیا اور اس پہلو کے زیادہ بڑھ جانے کے سبب طرح طرح کے امراض، مصائب و بلیات اور زلزلوں سے دوچار ہوئی، انبیاء کرام تو اس غرض سے بھیجے جاتے ہیں دوسرے پہلو جو کہ ایمانی پہلو ہے، کی وضاحت کریں اور کشادی پہلو سے اس پہلو کا حق دلوائیں اور دونوں پہلوؤں کے درمیان صحیح توازن قائم کریں۔

اگر آپ مسلمانوں کے پیغام کو جاننا چاہتے ہیں تو اس زمانہ پر نظر ڈالئے اور اس کا جائزہ لیجئے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمائے گئے اور اس زمانہ کی زندگی کا جائزہ لیجئے اگر آپ پر یہ بات عیاں ہو کہ زندگی نعمتوں اور دولت مند تھی، بلکہ مادی پہلوؤں سے بھرپور تھی اس میں کوئی کمی اور کجی نہیں تھی بلکہ ان کی زندگی کے ایمانی پہلو پر بھی چھا گئی تھی اور اس کا خاتمہ کر کے بے جان بنا دیا تھا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تجدید فرمائی اس کو حیات نو بخشی اور اسی طرح دعوت دی اور اسی کی بنیاد پر ایک ایسی قوم کو وجود بخشا جو برابر اس کی داعی اور محافظ رہی اور اس پر اپنی توجہ صرف کرتی رہی اگر یہ بات آپ کو نظر آتی ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ یہی مسلمانوں کا ہر زمانے کا پیغام ہے اور یہی اس زمانہ کا پیغام ہے۔ غزوہ بدر کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے حق میں دعا و شفاعت میں اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ اللھم ان تھلك ھذہ العصابۃ لن تعبد (اے خدا اگر تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر کبھی تیری عبادت نہ ہوگی، اس دعا میں آپ نے حقیقی مقصد بیان فرمایا جس کے لئے مسلمان قوم وجود میں آئی۔ اور جو انھیں کے دم قدم سے قائم رہے گا۔

علماء ہند کے مناقب کا اعتراف: تقریر ایک گھنٹے سے زائد جاری رہی، بعض لوگوں نے تو مجھے یہ بتایا کہ پورے دو گھنٹہ تک رہی لیکن مجھے محسوس نہیں ہوا کہ وقت کس طرح گزر گیا میرے بعد استاذ صاوی شعلان اسٹیج پر آئے اور تقریر پر تبصرہ کیا، ہندوستان اور یہاں کے علماء کی تعریف کی، ڈاکٹر محمد اقبال اور مولانا سید سلیمان ندوی کی بھی تعریف کی اور یہ بتایا کہ سید صاحب کی کتاب سیرۃ النبیؐ عالم اسلام کے کتب خانہ میں سیرت کے موضوع پر سب سے بڑی کتاب ہے اور برجستہ بہت سے اشعار کہے جو برجستہ آمد کے نتیجہ میں تھے ان میں آورد نہیں تھی ان کے بعد استاذ احمد الشرباصی آئے اور امت مسلمہ کے موجودہ حالات پر بلیغ ادبی انداز میں تقریر کی پھر ہمارے دوست احمد عثمان کے شکریہ کے الفاظ پر جلسہ ختم ہوا۔

استاذ عبدالعزیز کامل کے ہاں: ہم لوگ استاذ عبدالعزیز سے ان کے گھر ملے اور دیر تک گفتگو رہی۔ گفتگو ہندوستان میں دعوتی نظام و تربیت اور ایسی اچھی کتابوں کی تصنیف کی ضرورت کے متعلق رہی جو اسلامی فکر اور اسلامی طرز زندگی کی وکالت و تشریح کریں۔ ہندو پاک کے اسلامی مفکرین میں ربط و تعلق اور اسی طرح مصر کے مفکرین میں تعلق اور ساتھ ہی ساتھ اسلامی تہذیب اور علمی سرمایہ میں دونوں ملکوں کے تبادلہ کا بھی ذکر رہا انھوں نے اقبال کی شخصیت اور ان کے اسلامی فکر اور اشعار کے پیغام سے مصریوں کی ناواقفیت پر اظہار افسوس کیا، میں نے ان کو بتایا کہ اقبال کے پیغام و شاعری پر کلیۃ الادب یا دار العلوم میں تقریر کرنے کے لئے تیار ہوں، انھوں نے یہ تقریر دار العلوم میں کرنے کو ترجیح دی انھوں نے (ماذا خسر العالم) کی پسندیدگی کا اظہار کیا اور بتایا کہ اس کو اخوان کے نظام مطالعہ میں شامل کر دیا ہے، اس کتاب میں یورپ کی تاریخ اخلاق کی جو تفصیلات آئی ہیں ان سے اتفاق کیا اور یہ بتایا کہ وہ یورپ کے موجودہ مسائل کو سمجھنے میں معاون ہوں گی۔ گفتگو مختلف موضوعات پر رہی اور نشست دیر تک جاری رہی، میں نے شیخ عبدالعزیز کی شخصیت میں ایک پڑھا لکھا اچھی فکر صاحب ایمان بردبار دفتری صلاحیتوں سے مالا مال شخص کو پایا، پڑھے لکھے لوگوں میں جن سے میں واقف ہوں انھیں سب سے بہتر پایا وہ اخوان کے تربیتی نگران سمجھے جاتے ہیں۔

بجے ہم لوگ … کے ساتھ ازہر کے کلیۃ اصول الدین میں فلسفہ کے استاذ ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ کی ملاقات کے خیال سے شارع الملک المظفر چلے گئے، ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے میری کتاب "ماذا خسر العالم" کو پڑھا اور اس کو پسند کیا ہے، میں چاہتا تھا کہ ان کی معلومات و تبصرہ سے

فائدہ اٹھاؤں، لہٰذا میں نے ان سے یہ ملاقات طے کی، وہ بڑی کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے ملے۔

ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ سے باتیں: اور مجھے بتایا کہ انھوں نے میرا رسالہ اسمعی یا مصر پڑھا اور بہت پسند کیا۔ میری کتاب ماذا خسر العالم کے بارے میں بتایا کہ میں نے شائع ہوتے ہی اس کو صبح کو خریدا اور رات کو سونے سے پہلے پوری کتاب پڑھ ڈالی، اور کتاب کے سرورق پر یہ لکھ دیا کہ صبح کتاب خریدی اور رات سونے سے پہلے ختم کر لی۔

گفتگو مصر کے طریقہ تعلیم پر چل نکلی انھوں نے کہا کہ مصر میں تعلیم ثنوی نظام پر قائم ہے اور اسی نے ہمارے لئے بہت سی برائیاں پیدا کر دی ہیں بتایا کہ میں نے اس طریقہ تعلیم کی تردید میں ایک مضمون لکھا جو الاہرام میں شائع ہوا تو ازہر کے حلقوں میں ناپسندیدگی اور مخالفین کی نگاہوں سے دیکھا گیا میں اپنے اس خیال پر ابھی تک قائم ہوں کہ تعلیم میں ایک رخی اسلامی ثقافت کی غلبہ کی بنیاد پر ہونی چاہیئے (ڈاکٹر یوسف موسیٰ نے یہ بھی بتایا کہ یہی رائے تعلیم کے منتخب ماہرین اور اخوان المسلمین کے مصدر … کی بھی ہو گی جیسا کہ ۱۹۵۳ء کے مسائل سے ثابت ہے) ڈاکٹر صاحب نے اس رائے کا اظہار کیا کہ ازہر کو حالات کی تبدیلی کے ساتھ طرز تعلیم میں کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹی کی طرح سے ترمیم و اصلاح کرتے رہنا چاہیئے۔ کہ یہ دونوں بھی ازہر کی طرح دینی مدرسے تھے۔ ازہر کی طرح ان میں بھی دار الاقامہ کا نظم ہے۔

ازہر کے لئے ان کی تجویز: ازہر کے لئے ضروری تھا کہ وہ عصری تعلیم کو اپنا تا اور ملک کے اندر تعلیم کا وہی تنہا سرچشمہ ہوتا، تاکہ دو علاحدہ علاحدہ طبقے جن میں آپس میں اتصال نہیں ہے نہ پیدا ہو پاتے چنانچہ یہاں وہ بھی ہیں جو دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اور حکومت کی صلاحیت نہیں اور یہاں وہ بھی ہیں جو حکومت کرتے ہیں مگر دین سے ناواقف ہیں، پھر ہم لوگوں کی گفتگو اس موضوع پر رہی کہ پاکستان کی سرکاری زبان عربی ہوتی اور اس سلسلہ میں جو دشواریاں ہیں ان پر بھی بات ہوئی۔ مجھے خیال ہوا کہ سوموار کے جلسہ میں پڑھنے کے لئے ایک مقالہ تیار کر لوں جس کا موضوع "الدعوۃ الاسلامیۃ فی الھند و تطورا تھا" ہو اس کے ذریعہ میں اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھا کر علماء ازہر اور اس دعوت پر لبیک کہنے والوں کو ایک پیغام پیش کر دوں، یہ خیال میرے ذہن و فکر پر چھا گیا اور میں آدھی رات تک لکھنے میں مشغول رہا اور اس وقت سویا جب تھک کر چور اور لکھنے سے مجبور ہو گیا۔

شیخ احمد الشرباصی کے سوالات: بجے شیخ احمد الشرباصی آ گئے اور میرے تعلیمی مراحل، نشو و نما اور حالات زندگی معلوم کرنے کی خواہش ظاہر کی، میں اس پر راضی ہو گیا، وہ پوچھتے اور نوٹ کرنے لگے، سوالات کی بوچھار کر دی اور میری زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات تک دریافت کئے میں نے بھی حالات پوچھے حتیٰ کہ کھیل کود میرے ناپسندیدہ کھانے، زندگی کے یادگار دن، جن بیماریوں میں مبتلا ہوا وہ شخصیتیں جن سے میں متاثر ہوا، جو کتابیں مجھے پسند آئیں، مصر کی خوبیوں اور خامیوں کے متعلق میری رائے، غرض یہ کہ یہی ان کی سب پوچھ ڈالا اور بے ساختہ میں بول اٹھا "ما لھذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا" یہ کیسی کتاب ہے جس نے چھوٹی بڑی کسی بات کو نہ چھوڑا سب پر حاوی ہے۔ میں نے ان سے معلوم کرنا چاہا کہ ان تمام معلومات کو حاصل کر کے کیا کریں گے، بالآخر میں نے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہو سکتا ہے کبھی آپ کے متعلق کچھ لکھنا ہو یا تقریر کرنی ہو تو یہ تفصیلات میرے لئے معاون ہوں گی۔ جب تک وہ رہے نہیں اپنے لطائف و ظرافت زندہ دلی و خوش گفتاری سے ہم لوگوں کو برابر ہنساتے رہے اور خوش کرتے رہے چنانچہ انجمن طلباء سے میری کتاب ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین کے مقدمہ میں میرا تعارف کرتے وقت فائدہ اٹھایا۔

احمد لطفی السید سے باتیں: دس بجے ہم لوگ موجودہ دور کے استاذ اور مجمع فواد الاول اللغۃ العربیہ کے صدر استاذ لطفی سے ملنے گئے ہم لوگ انجمن کے ان کی اکیڈمی کے دفتر میں ملے۔ ان کے اندر میں نے اپنے اسلامی ممالک میں یورپ کی تعلیم و تربیت سے جو پہلی نسل تیار ہوئی ہے اس کا ایک نمونہ دیکھا .... اسی فکر اور ثقافت کی وہ نمائندگی کرتے ہیں اور جدید تعلیم کے سلسلہ میں وہی نقطۂ نظر رکھتے ہیں اور اسی کی طرف سے پورا دفاع کرتے ہیں اگر ہم کہیں کہ ان میں بالکل وہی شخص ملیں گے جو علی گڑھ کے اس عہد اول کے ذریعہ ملتے ہیں جس وقت سید احمد خاں نے اس کو قائم کیا تھا۔

عہد ماضی اور عہد حاضر کے اخلاق کا فرق

ہم نے ان سے پوچھا کہ یونیورسٹی کی تعلیم سے آپ اس کے اخلاقی نتائج کے بارے میں مطمئن ہیں، جبکہ آپ بھی اس ملک میں اس کے بانیوں میں یقیناً شریک ہیں؟ انھوں نے کہا بیشک میں مطمئن اور پر امید ہوں ماضی کے مقابلہ میں اخلاق برابر ترقی کر رہا ہے اور اچھا ہوتا جا رہا ہے اس میں شبہ نہیں کہ پہلے لوگوں کے اخلاق اور چال ڈھال بہت اچھے اور عمدہ تھے لیکن یہ سب کچھ خوف و دباؤ کی فضا میں ہوتا تھا میرا نظریہ یہ ہے کہ جو چیز خوف و دباؤ کے اثر سے ہو وہ کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ ہزار سال بلکہ اس سے زائد عرصہ کے بعد ملک پر سے پردیسیوں کا تسلط ختم ہوا اور آزادی نصیب ہوئی لہٰذا اخلاق اچھے ہو گئے، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اب کچھ … پیدا ہو گیا ہے اور آزادی کا بیجا استعمال ہو رہا ہے اور یہ ایک فطری بات ہے اپنے وقت پر ختم ہو جائے گی۔

حالت علم کی مثال پنجرے کی اس چڑیا کی سی ہے جو آزادی کے بعد ادھر ادھر اڑتی ہے اور اپنی طاقت کو بیجا ضائع کرتی ہے بہر حال میں آزادی کے غلط استعمال کو غلامی پر ترجیح دیتا ہوں۔ اخلاقی بگاڑ اور تربیت کے سلسلہ میں تعلیم کی ناکامی اور اچھی نسل کو وجود میں لانے کا فیصلہ از وقت ہے۔

میرا نظریہ یہ ہے کہ بچے کی تربیت اول اول ماں باپ کی گود میں ہوتی ہے جب آج کا بچہ کل تربیت کرنے والا باپ ہے گا تو جو نسل کی تربیت میں پروان چڑھے گی وہ اس نسل سے اچھی ہوگی۔

میں نے کہا کہ آپ کی امیدیں بڑھائے اور آپ کے ان قول سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے لیکن جب … ہو جائیں گے اس … ہمارے … سے شکل پر جب وہ آزادانہ بے لگام ہے اس کی کچھ بھی اصلاح و تربیت نہیں تو پھر کیسے ہم یہ توقع رکھیں کہ مستقبل حال سے بہتر ہوگا۔

وہ جواب دیتے ہیں سمجھتا ہوں کہ علم پھیل جائے گا تو حالات کو درست کر دے گا۔ میں فطرت انسانی سے بدگمان نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ … بشری فطرت … جب یہ … ختم ہو جائے گی تو وہ اپنی صحیح حالت پر آ جائے گی۔

کیا یونیورسٹیاں اخلاقی تربیت میں کوتاہی کرتی ہیں؟

میں نے کہا کہ یہ اسلام کا نظریہ ہے … یونیورسٹیاں اخلاقی تربیت کی طرف توجہ کرنے میں کوتاہی کرتی ہیں انھوں نے کہا … میں تلقین و رہنمائی کا قائل نہیں اور سچا کریم اور اچھا عملی نمونہ زیادہ موثر ہے۔

ہم نے کہا یونیورسٹیوں کی کوتاہی سے میری مراد اخلاقی درس و تلقین میں کوتاہی نہیں ہے اس کے اثر انداز ہونے پر میرا عقیدہ نہیں اس بارے میں تو میں آپ ہی کا ہم خیال ہوں۔ یونیورسٹی اچھے اساتذہ کے انتخاب عملی نمونہ اور مثالی اخلاق کے پیش کرنے میں ناکام و کوتاہ ہے یہ بات ہم کو ان یونیورسٹیوں کے مستقبل کے بارے میں اخلاقی پہلو کی طرف سے شک میں ڈالتی ہے، انھوں نے کہا کہ مصر یونیورسٹی کی تعلیم ۳۳ سال سے جاری ہے اس قلیل مدت میں اس کی ناکامی کی رائے قائم کرنا قبل از وقت ہے۔ ہمیں مزید انتظار کرنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے

میں نے کہا کہ ہندوستان میں جدید اور یونیورسٹی کی تعلیم مصر سے کہیں پرانی ہے لیکن مصری یونیورسٹی کی تعلیم سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔

(آئندہ)

تعمیر حیات کی توسیع اشاعت میں حصہ لیجئے

"مسلم پرسنل لا" پر فیضی صاحب کا مقالہ

ایک محدود اور مختصر جائزہ

از: مولانا محمد برہان الدین سنبھلی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ہندوستان کے مسلمان گوناگوں داخلی و خارجی اسباب کی بنا پر جن مسائل سے دوچار ہیں ان میں "پرسنل لا" میں تبدیلی کا خطرہ غالباً سب سے زیادہ اہم ہے۔ مسئلہ کی اہمیت اور کچھ دوسری وجوہ ...... کی بنا پر آئے دن اخبارات و رسائل کا غیر مسلموں اور دوسرے حلقوں نے "مسلم پرسنل لا" میں تبدیلی ہونے نہ ہونے کی ضرورت و افادیت پر اظہار خیال کیا جاتا رہا ہے۔

اسی سلسلہ کی کڑی ہندوستان کے مشہور دانشور اور قانون داں پروفیسر آصف فیضی صاحب کا مضمون بھی ہے جس کا ترجمہ پچھلے دنوں ——— اسلام اور عصر جدید دہلی ——— میں شائع ہوا ہے اور بعض حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا اور پسند کیا گیا ہے۔ غالباً موصوف کی شخصی اہمیت اور مضمون کی خاص نوعیت کے پیش نظر ان کے بعض ہمنواؤں نے اسے پرسنل لا کے نام سے الگ بھی شائع کر دیا ہے۔

چند روز پہلے ہمیں بھی اسے دیکھنے کا موقع ملا۔ مضمون نگار نے قانونی اور دوسری حیثیتوں سے مسئلہ پر بحث کرنے کے علاوہ بعض قرآن کریم کی آیات اور فقہاء کے اقوال سے بھی حصول مدعا کی کوشش کی ہے۔ یہی حصہ ہمارے لئے سب سے زیادہ دلچسپی اور توجہ سے پڑھنے کا تھا مگر جب علمی انداز نظر سے دیکھنے کے بعد حقیقت سامنے آئی کہ موصوف سے قرآن مجید کی آیات کو اس کی اور فقہاء کی عبارتوں سے استشہاد کرتے وقت یہ معرفت کہ ان کے مفہوم سمجھنے میں لغزشیں ہوئیں، بلکہ ائمہ کے اقوال اور ان کی آراء نقل کرنے میں بھی شدید قسم کی غلطیاں ہو گئیں۔ اس لئے علمی دیانت کا تقاضا بلکہ فریضہ معلوم ہوا کہ ان کی نشاندہی کی جائے تاکہ غلط فہمی دور ہو جائے اور جن ذہنوں میں اثر انداز ہو گئی ہیں ان کو نظر ثانی کا موقع مل جائے۔

یہی وہ احساس ہے جس کی بنا پر یہ گزارشیں پیش کی جا رہی ہیں امید ہے کہ محترم فیضی صاحب ان حقائق کے سامنے آجانے کے بعد اپنے مضمون پر نظر ثانی کر لیں گے۔ یا کم از کم اس غلطی کو دور کرنے کی طرف توجہ دیں گے۔

فی الحال اس فریضہ کی ادائیگی پیش نظر ہے ورنہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کا مسئلہ اس وقت واقعی متعدد پہلو رکھتا ہے اور اس کے حسن و قبح سے بحث کرنا ہے کیونکہ وہ ایک طویل الذیل اور مستقل موضوع ہے۔ تھوڑے وقت اور محدود مطالعہ سے اس پر کچھ لکھنا مناسب تو الجھانے کا سبب الجھانے کا باعث بھی ہو سکتا ہے۔ آئندہ خدا نے توفیق دی تو اس مسئلہ پر بھی روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

وما توفیقی الا باللہ۔

۱۔ فیضی صاحب نے مطلقہ عورت کے شوہر کی طرف سے مختلف مدوں میں (مثلاً مہر کفالت کے تا حیات یا عقد ثانی) ایک رقم ادا کرنے کی تجویز پیش کرتے ہوئے متاع الطلاق (طلاق کا ہرجانہ) کی ضرورت پر بھی ظاہر کی ہے اور اس پر اس طرح استدلال کیا ہے:۔

"مذکورہ بالا صفحہ دفعہ (ہ) کی متاع الطلاق کی ادائی کی تجویز میری ہے جو میں نے فاطمی اور مالکی فقہ کی بنیاد پر پیش کی ہے۔ اس کا اصول یہ ہے کہ ہر شوہر مطلقہ بیوی کو مہر کے علاوہ ایک رقم بطور ہرجانہ ادا کرتا ہے ——— اس اصول کی بنیاد قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

لا جناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ ومتعوھن علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ متاعا بالمعروف حقا علی المحسنین۔

(قرآن سورہ بقرہ آیت ۲۳۶)

"تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان بیویوں کو جنہیں تم نے ہاتھ لگایا اور ان کے لئے مہر مقرر کیا طلاق دے دو وسعت والے کے ذمہ اس کی حیثیت کے لائق اور تنگی والے کے ذمہ اس کی حیثیت کے لائق دیا خرچہ عرف کے موافق ہو۔ یہ واجب ہے بھلائی معاملہ کرنے والوں پر"

اس آیہ کا حکم اور واضح آیت کی تاویل فقہاء نے مختلف طور پر کی اور ان میں اکثر نے "متاعا بالمعروف" کے حکم کو نظر انداز کر دیا ہے۔ صرف فاطمی اور مالکی مسلک میں اس کی ادائی لازمی قرار دی گئی ہے (صفحہ ۵ سطر ۳ تا ۱۵)

اس طویل اقتباس کا حاصل تین چیزیں ہیں (۱) آیت مذکورہ سے ہر قسم کی مطلقہ کے لئے "متاع الطلاق" کا وجوب ثابت ہو رہا ہے (۲) اکثر فقہاء نے اس کو نظر انداز کر دیا (۳) صرف فاطمی اور مالکی مسلک میں اس کی ادائیگی لازمی قرار دی گئی ہے۔

اب آپ دیکھیں کہ ان دعاوی میں کتنی صداقت ہے؟ الفاظ آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ "متعوھن" کا حکم صرف ان مطلقہ عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کا نکاح کے وقت نہ تو مہر مقرر ہوا تھا اور نہ ان سے تعلق زوجیت ہی قائم ہوا۔ آیت کے الفاظ "ما لم تمسوھن او تفرضوا لھن" خاص طور سے قابل لحاظ ہیں مضمون میں بھی اسی حصہ کا ترجمہ کیا گیا ہے "جنہیں تم نے نہ ہاتھ لگایا اور نہ ان کے لئے مہر مقرر کیا" اسی طرح مستند اردو کا ترجمہ قرآن مجید چاہے دیکھ لیجئے۔ سب میں یہی ملے گا (ان میں چاہے تھوڑا بہت الفاظ کا فرق ہو) کہ بغیر مہر مقرر کئے اور بغیر ہاتھ لگائے جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہے صرف ان کے لئے یہ حکم ہے نہ کہ تمام مطلقہ عورتوں کے لئے[1]

تمام قدیم عربی تفسیروں میں بھی یہی ملتا ہے۔ مثلاً مشہور مفسر علاؤ الدین الخازن لکھتے ہیں[2]

ای لم تمسوھن ولم تفرضوا لھن فریضۃ یعنی ولم توجبوا لھن صداقا لم توجبوہ علیکم ...... فنفی اللہ الحرج والجناح عنہ اذا کان الفراق اروح من الامساک ...... اذا تزوج امرأۃ ولم یفرض لھا مھرا ثم طلقھا قبل المسیس یجب لھا علیہ المتعۃ وبہ قال الشافعی وابو حنیفۃ واحمد وقال مالک المتعۃ مستحبۃ۔

آیت کی یہی تفسیر تھوڑے فرق سے تقریباً ہر معتبر تفسیر کی کتاب میں ملتی ہے[3] ان سب کا مفہوم یہی ہے کہ اگر کسی عورت کو بغیر مہر مقرر کئے اور ہاتھ لگائے بغیر طلاق دیدی گئی تو اس کی دلشکنی کے تدارک کے طور پر شوہر کو کچھ دینا ضرور چاہئے اپنی استطاعت کے مطابق تاکہ دل شکنی کی ایک گونہ تلافی ہو جائے۔

وان کان فی ھذا انکسار لقلبھا ولھذا امر اللہ تعالی بامتاعھا وھو تعویضھا عما فاتھا

(ابن کثیر)

وجوب متعہ کے مسئلہ میں ائمہ کا مسلک اور آیت کا صحیح مفہوم تقریباً ہر تفسیر میں ملتا ہے کہ اس صورت میں متعہ طلاق کا ہرجانہ ...

[1] مثلاً دیکھئے ترجمہ عاشق قرآن مولانا آزاد، بیان القرآن مولانا تھانوی، ترجمہ تفسیر خازن صفحہ ۱۵۱

[2] دیکھئے تفسیر بیضاوی سورہ بقرہ ص۲۵ مطبع مجتبائی دہلی، ابن کثیر ص۲۸۹، احکام القرآن لابن العربی ص۲۰۹، موخر الذکر کے یہاں آیت کی تفسیر میں دو اور قول ملتے ہیں لیکن جمہور کے قول کو ہی ظاہر قرار دیا ہے دیکھئے ص۲۰۹

[3] فقہی اصطلاح میں اس کو متعہ کہتے ہیں یہاں اس لفظ سے نکاح کی مخصوص قسم جو منسوخ ہو چکی ہے، مراد نہیں ہے۔

شوہر پر واجب ہے لیکن کن ائمہ کے نزدیک؟ اور نہایت حیرت کی بات یہ ہے کہ صرف (فیضی صاحب کے بیان کردہ) امام مالک ——— کے نزدیک نہیں، بلکہ ان کے علاوہ تمام ائمہ یعنی امام ابو حنیفہ، شافعی، احمد کے نزدیک گویا فیضی صاحب نے جن ائمہ پر آیت کو نظر انداز کر دینے کا الزام لگایا تھا ان ہی کے یہاں سب سے زیادہ آیت کی رعایت نکلی، اور جن کے بارے میں انہوں نے وجوب کا دعویٰ کیا تھا ان کے یہاں بظاہر سب سے کم رعایت ملتی ہے (نظر انداز انہوں نے بھی نہیں کیا) یعنی امام مالک کے یہاں متعہ صرف مستحب ہے۔ یہ تصریح خود ان کے شاگرد نے براہ راست ان سے نقل کی ہے، دیکھئے عبد الرحمن بن القاسم سحنون التنوخی کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

سحنون نے سوال کیا۔ (قلت) ارأیت ھذہ التی طلقھا زوجھا قبل ان یدخل بھا ولم یفرض لھا صداقا لم لا یجبرہ مالک علی المتعۃ وقد قال اللہ تبارک وتعالی فی ھذہ بعینھا وجعل لھا المتعۃ فقال لا جناح علیکم ان طلقتم النساء ...... (قال) قال مالک انما خففت عندی فی المتعۃ ولم یجبر علیھا المطلق فی القضاء فی رأیی لأنی اسمع اللہ تعالی یقول حقا علی المحسنین وحقا علی المتقین فلذلک خففت فلم یقض بھا[1]

سحنون نے عبد الرحمن بن القاسم (تلمیذ امام مالک) سے سوال کیا کہ امام مالک ایسی عورت کے لئے متعہ لازم کیوں نہیں قرار دیتے کہ جس کے بارے میں قرآنی آیات نے متعہ کا حکم دیا ہے، اور پھر یہی آیت تلاوت کی، عبد الرحمن نے جواب دیا امام مالک نے فرمایا ہے کہ میرے نزدیک متعہ کے حکم میں تخفیف اس لئے ہو گئی ہے کہ آگے اللہ تعالی فرماتا ہے "یہ متعہ ان لوگوں پر ہے جو اچھا برتاؤ کرنے والے ہیں" (ہر شخص پر نہیں ہے)

ابن رشد مالکی نے امام مالک کے استدلال اور ان کی بیان کردہ آیت کی توجیہ وضاحت کے ساتھ بیان کی ہے فرماتے ہیں۔ "واما مالک فانہ حمل الامر بالمتعۃ علی الندب بقولہ تعالی فی آخر الآیۃ حقا علی المحسنین) ای علی المتفضلین المتجملین وما کان من باب الاجمال والاحسان فلیس بواجب (یعنی متعہ کا حکم آیت میں لازمی اور وجوبی نہیں معلوم ہوتا بلکہ حسن و اخلاق اور مروت کے طرز کا معلوم ہوتا ہے لہذا واجب نہیں ہونا چاہیئے)

اس سے قبل اپنی کے چچا صاحب "المقدمہ" کے بیان کے مطابق اور ان کے ہم نام ابن رشد (اول) اس اعتراض کا جواب دے چکے ہیں کہ "امر" اصل تو وجوب کے لئے آتا ہے پھر امام مالک نے یہاں وجوب کیوں نہیں مراد لیا فرماتے ہیں:۔

"فمتعوھن" امر بالمتاع والامر علی الوجوب ما لہ یقترن بہ قرینۃ تصرفہ عن الوجوب الی الندب وقد اقترن بہ قرائن تدل علی ان المراد بہ الندب من ذالک تخصیصہ بھا المحسنین من غیر المحسنین[2]

(امر وجوب کے لئے اس وقت آتا ہے جب کوئی قرینہ نہ ہو اور یہاں ایسے قرائن موجود ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ متعہ کا حکم صرف محسنین کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے (یعنی ہر ایک کے لئے نہیں ہے)

بہر حال امام مالک کے مسلک میں کوئی بھی ایسا قول نہیں ملتا کہ جس سے وجوب کا پتہ چلتا ہے نہ معلوم فیضی صاحب نے یہ کہاں سے اخذ کر لیا، موصوف حوالہ دیتے تو اچھا ہوتا۔

اوپر کی سطروں میں جس طرح امام مالک کا مسلک صرف دوسروں کے نقل کرنے سے نہیں بلکہ خود امام کے قول اور ان کے مقلدین کے نقل کرنے سے معلوم و متعین ہو چکا ہے اسی طرح دوسرے ائمہ کا مسلک بھی ان کے مقلدین کے بیان اور اقوال میں ملتا ہے مفسر خازن شافعی المسلک ہیں، انہوں نے امام شافعی کا قول وجوب میں نقل کیا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے اب دیکھئے حنفی مسلک کی سب سے مشہور اور مستند کتاب ہدایہ میں امام ابو حنیفہ کا کیا مسلک بیان کیا گیا ہے؟

ولو طلقھا قبل الدخول فلھا المتعۃ لقولہ تعالی ومتعوھن علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ ثم ھذہ المتعۃ واجبۃ رجوعا الی الامر وفیہ خلاف مالک[3]

اگر ایسی عورت کو جس کا مہر نہ مقرر کیا گیا ہو دخول سے پہلے ہی طلاق دیدی تو اس کے لئے شوہر پر متعہ ہے اللہ تعالی کے حکم کی بنا پر (اور آیت ذکر کی) اور یہ متعہ واجب ہے آیت میں امر کی بنا پر اور اس میں صرف امام مالک کا اختلاف ہے۔

ہدایہ کے شارح محقق ابن ہمام نے اس عبارت کے بعض حصوں کی تشریح بھی کر دی ہے جس سے اور وضاحت ہو گئی، دیکھئے فرماتے ہیں۔

قولہ ھذہ المتعۃ ای متعۃ المطلقۃ قبل الدخول التی لم یفرض لھا مھر فی العقد واجبۃ عندنا وعند الشافعی واحمد ...... وقولہ رجوعا الی الامر ...... ھو قولہ تعالی ومتعوھن عقیب قولہ لا جناح علیکم الخ

غور فرمائیے کہ تمام ائمہ اور ان کے متبعین اسی آیت کی استدلال کرتے ہوئے متعہ کا حکم دے رہے ہیں ومتعوھن کا تقاضہ ہے کیوں کہ صیغہ امر وہی ہے (متاعا بالمعروف کا نہیں جیسا کہ فیضی صاحب سمجھے ہیں)

حنفی فقیہ ابن نجیم نے احناف کا مسلک یعنی وجوب متعہ بیان کرنے کے بعد امام مالک کے استدلال اور ان کی توجیہ کا جواب بھی دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

لھا المتعۃ ان لم یمسھا ...... ثم ھذہ المتعۃ واجبۃ رجوعا الی الامر ولا یکون لفظ المحسنین قرینۃ صارفۃ الی الندب لان المحسن اعم من المتطوع والقائم بالواجب مع ما انضم الیہ من لفظ حقا وعلی[4]

(متعوھن میں امر وجوب ہی کے لئے ہے اور لفظ "المحسنین" ایسا قرینہ نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے امر کا اصل تقاضا (وجوب) نظر انداز کر کے اسے مستحب پر محمول کیا جائے کیونکہ "محسن" ضروری اور مستحب دونوں قسم کے کام کرنے والوں پر بولا جا سکتا ہے۔ مزید براں یہ کہ آیت میں "حقا" اور "علی" بھی ہے (جس سے وجوب کے پہلو کو مزید تقویت پہنچی ہے۔)

خلاصۂ کلام یہ کہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں اسی آیت کی بنا پر اس مطلقہ کے لئے جس کا آیت میں ذکر ہے متعہ واجب ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ ان حضرات میں سے کسی نے بھی آیت کو نظر انداز نہیں کیا (بشمول امام مالک) بلکہ ان کے بارے میں ایسا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ ایسی بدگمانیاں اسی ذہن میں راہ پا سکتی ہیں جو ائمہ کا مرتبہ شناس نہ ہو اور ان کے بارے میں صحیح معلومات رکھتا ہو۔

۲۔ فاضل مضمون نگار تحریر فرماتے ہیں:۔

"حنفی اور مالکی شریعت کے ماتحت ایک بیوہ اپنے شوہر کی املاک میں سے کسی حصہ کی دعویدار نہیں ہو سکتی۔"

(صفحہ ۵ سطر ۹)

فاطمی شریعت کے بارے میں ہماری معلومات صفر ہونے کے برابر ہیں، اس لئے ہم محترم فیضی صاحب کے فاطمی شریعت کے پیش کردہ کسی بھی مسئلہ پر اظہار خیال سے معذور ہیں لیکن حنفی مسلک (انکہ شریعت کیوں کہ شریعت تو صرف نبی کی طرف منسوب کی جاتی ہے، کسی فقیہ یا کسی مجتہد کی طرف نہیں) کے بارے میں وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ نہ صرف حنفی بلکہ شافعی، مالکی اور حنبلی کسی بھی امام کے یہاں یہ قول نہیں ملتا۔ کیوں کہ بیوہ کا شوہر کی ہر قسم کی متروکہ جائداد میں حصہ ہونا قرآن کی نص صریح سے ثابت ہے اور خود فیضی صاحب اپنے مضمون میں زیر بحث عبارت سے متصل قبل اس کا اعتراف کر چکے ہیں کہ محمڈن پرسنل لا کے تحت بیوہ کو مہر کی صرف آٹھویں حصہ کی حقدار ہوتی ہے اس لئے پورے طور پر ہم نہیں سمجھ سکتے ہیں کہ پھر یہ کیا بات فرما گئے ہیں یہ عبارت پڑھ کر لکھنے والے کے بارے میں یہ تاثر قائم ہو جاتا ہے کہ شرعی قوانین کے مطالعہ کی اس نے زحمت نہیں اٹھائی کیونکہ ان کے خیال میں (جیسا کہ ان کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے) حنفی اور مالکی کے مسلک کے مطابق بیوہ اپنے شوہر کی منقولہ اشیاء میں بھی بلا مشقت کے مطابق اپنے حق وصول کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

حالانکہ تمام فقہی کتابیں اس کے برخلاف ہیں بلکہ ہمیں تو حنفی فقہ کی ایسی کتاب کہ جس کے مطابق طویل مدت تک ہندوستان کی عدالتوں کے فیصلے ہوتے رہے ہیں اس میں اس کی نظیریں بھی ملتی ہیں۔ (باقی)

[1] المدونۃ الکبری ص۳۳۰ [2] بدایۃ المجتہد ص۱۵ مطبع الاستقامہ [3] المقدمات مع المدونہ جلد ۲ [4] ہدایہ اولین ص۳۲۵ حنفی مسلک کی تمام کتابوں میں یہی مذکور ہے، فتح القدیر ص۲۲۳ مطبع نولکشور لکھنؤ [5] البحر الرائق ص۱۵۵

مسلمانوں میں تلک کا رواج

دوسری جنگ عظیم اور اس کے بعد کا عرصہ تلک کے رواج کو وقت پرواز بخشنے اور طول و عرض دینے میں بنیادی مقام رکھتا ہے معاشی خوشحالی اور زرعی پیداوار کی گرانی نے زمین اور زراعت پیشہ طبقے کو نئے پاؤں رکھنے ... زر مبادلہ کے افراط اور ... کے تجربات نے تعلیم کی اہمیت کو بھی واضح کر دیا تھا ... کی وسعت کی وجہ سے افراط زر اور افراط ... ہوا، چنانچہ لڑکوں کی قیمتیں بڑھیں تو ملازم پیشہ ... کی بولیاں بڑھیں اس لئے کہ معاشی بحران نے روپے کو سستا اور جنس کو گراں قیمت بنا دیا تھا۔

اسی دوران ملک کی تقسیم اور آزادی نے معاشرے کو ایک آخری ضرب کاری دی، پاکستان بن جانے کی وجہ سے ... میں مسلمانوں کی بدولی کی وجہ سے پڑھے لکھے لڑکوں کی کھیپ پاکستان پہونچ گئی جس کے نتیجے کے طور پر ہندوستان میں تعلیم یافتہ لڑکوں کی کمی نے ان کی بازار و قیمت بڑھا دی، چنانچہ ایک طرف معاشی خوشحالی تو دوسری طرف جنس گراں یعنی تعلیم یافتہ لڑکوں کی کمی نے طلب کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ کھلے بازار میں لڑکوں کی بلیک مارکیٹ شروع ہو گئی ... شادیاں جو تقسیم سے پہلے دو تین ہزار روپے میں انجام پا جاتی تھیں اب پانچ ہزار سے دس ہزار تک ... تعلیم یافتہ لڑکوں کا تخمینہ جو ۱۹۵۷ء ... تک جاری ہے اور جس حساب سے کھلے بازار میں اس تجارت کو فروغ حاصل ہے اسے مندرجہ ذیل گوشوارہ میں پیش کیا جاتا ہے۔

کھلے بازار کے حساب سے تعلیم یافتہ لڑکوں کی قیمتوں کا تخمینہ

(۱) میٹرک فیل: ... سو سے پانچ سو روپیہ تک (علاوہ زیورات اور اخراجات بارات وغیرہ)

(۲) میٹرک پاس ملازم پیشہ ۲ ہزار روپے سے ۳ ہزار روپے تک علاوہ گھڑی، فاؤنٹن پن، زیورات اور اخراجات بارات وغیرہ۔

(۳) ایف۔ اے، بی۔ ایس سی (بشرطیکہ ملازمت) ... ہزار روپے سے ... ہزار روپے تک (علاوہ ریڈیو، گھڑی، سائیکل، زیورات و اخراجات بارات وغیرہ)

(۴) بی۔ اے، بی۔ ایس سی (بشرطیکہ ملازمت) ۳ ہزار روپے سے ... ہزار روپے تک (خاندانی وقار اور جائداد کے مدنظر)

جدید زیورات فیشن کے علاوہ مندرجہ بالا فرمائش اور اخراجات بارات وغیرہ۔

(۵) اوورسیر کارس (انجینیرنگ) ... ۵ ہزار سے ... ہزار روپے تک (خاندانی وقار اور جائداد کے مدنظر)

جدید زیورات فیشن کے علاوہ مندرجہ فرمائشات اور اخراجات بارات وغیرہ۔

(۶) ایم۔ اے، ایم۔ ایس سی (بشرط ملازمت) ۵ ہزار سے ۱۰ ہزار روپے تک (خاندانی وقار کے مدنظر) جدید زیورات فیشن کے علاوہ مندرجہ بالا فرمائشات اور اخراجات بارات وغیرہ۔

(۷) انجینیرس اور ڈاکٹر ۱۰ ہزار روپے سے ۱۵ ہزار روپے تک گرم سوٹوں کا بکس، موٹر سائیکل اور کار کی فرمائش کے علاوہ مندرجہ بالا فرمائشات و اخراجات بارات و زیورات وغیرہ وغیرہ)

مندرجہ بالا خاکہ کوئی تصوراتی یا خیالی تصویر نہیں بلکہ آئے دن کے مشاہدات پر مبنی حقیقت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا مسلمانوں اور رگر شخصوں کے پاس اتنی فراوانی ہے کہ ایک ایک لڑکی کی شادی پر ہزاروں کی قربان لات مارنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہندوستان کی غربت اور افلاس کی کہانیاں ضرب المثال بن چکی ہیں یہاں کے لوگوں کی اوسط آمدنی کا تخمینہ ۲۵۵ روپیہ شادی فنڈ کہاں سے آتا ہے۔ اجتماع زر (Accumulation of Capital) کا مسئلہ بین الاقوامی امداد اور غیر ملکی سرمائے کی آمد کے باوجود حکومت ... کے لئے ایک پریشان کن مسئلہ بنا ہوا ہے پھر اس رسم قبیح کی آبیاری کے سلسلہ میں سرمایہ کی آمد کی آسانیاں کہاں سے فراہم ہوتی ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا سوال ہے جس کے جواب ہی سے تلک کے رواج کے حسن و قبح پر مکمل روشنی پڑ سکتی ہے۔

عام مسلمان اور خاص کر شیخ برادری کے لوگ تجارت پیشہ بھی کم ہیں گرانی قیمتی کے دور نے ان کی جھولیاں بھر دی ہیں معاشی کا سازگار ... ان کے لئے دے کر سرکاری ملازمت یا باپ دادا کی وراثت میں چھوڑی گئی زرعی جائدادوں ہی پر منحصر ہے درمیانہ طبقے کے گنے چنے افراد ہی ایسے ہیں جو ملازمت پیشہ ہونے کے باوجود صالح اور غیر صالح ذرائع سے اچھے پیسے بنا لیتے ہوں ورنہ بیشتر ملازمین انگریزی محاورے کی مصداق جسم و جان کے رشتے ہی کو قائم رکھنے ہی میں کامیاب ثابت ہوں تو بڑی بات ہے چنانچہ

ظاہر ہے کہ شادی فنڈ کا سارا زور جائیدادوں کی فروخت پر پڑ رہا ہے۔ بات بہت سیدھی سادی ہے لیکن اتنی آسانی سے سمجھ میں آنے والی بھی نہیں ہمارے تعلیم یافتہ لوگوں کو اچھی ملازمتیں ملیں یا نہ ملیں وہ مقابلہ کے امتحانوں میں بیٹھ کر سرخرو ہوں یا نہ ہوں منہ مانگی قیمتیں تو انہیں مل ہی جاتی ہیں۔ سرخروئی کے لئے یہی کیا کم ہے کہ ان کی

انجم پرویز ایم اے علیگ

تعلیم نے انہیں یک لخت ایک اچھا خاصا سرمایہ فراہم کر دیا جو کہ مدتوں کے خون پسینے کی محنت کے بعد بھی ملازمت میں اگر بالائی یافت اور غیر اخلاقی ذرائع کو پس پشت ڈال دیا جائے تو مشکل ہی سے دیکھنے میں بھی آئے۔

تلک کے ہمدردوں کا کہنا ہے کہ یہ ان کی کمائی ہے (جس میں کسی عقل سلیم رکھنے والے کو شبہ بھی نہیں ہونا چاہئے) وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کل ان کو بھی دستور کے مطابق اپنی لڑکیوں کی شادی پر روپے گننے ہی ہوں گے اس لئے کہ زمانہ کی رفتار رجا مد نہیں آج ان کی تو کل ہماری باری ہوگی پھر کیوں نہ موقع سے فائدہ اٹھایا جائے ایک بات یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اس طرح کے لین دین کے چلنے سے سماج اور برادری کے کچھ ایسے ہونہار لڑکے جن کے ذرائع محدود ہیں، کے لئے آگے بڑھنے کے لئے امکانات کھل جاتے ہیں، کچھ حضرات ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں پڑھے لکھے کے بعد مٹی سے ہمارا کیا تعلق، اس لئے زرعی املاک جائداد ہمارے کس کام کی اور پھر آئندہ زمانہ کیسا آئے اور کیا ہو ہمیں تو جائیدادوں کے عوض نقد ہی مل جائے تو ہم اپنی زندگیاں سنوار لیں اور پھر آخری دلیل یہ کہ پہلے زمانہ میں بھی تو لوگ شادیاں انجام دیا کرتے تھے اور جہیز میں گھر بھر کا اسباب ملا کر کم و بیش اتنی ہی رقم کے اخراجات کا بار اٹھاتے تھے پھر اب نقد گن دیتے ہیں تو کون سا حرج ہے بات تو بہ ظاہر معقول معلوم ہوتی ہے جس طرح ہر شے کا ایک تاریک اور ایک روشن رخ ہوتا ہے تلک بھی اس کلیے سے مبرا کیوں ہو۔

مندرجہ بالا دلیلوں کے پیش نظر گننے اور گنانے والوں کی کمی نہیں بلکہ گنانے والے کم اور گننے ہی والوں کا بھیڑ زیادہ ہے، ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی ملتی ہے۔ تلک تو کوئی ایسی شے نہیں کہ کوئی تعلیم حاصل کرے اور فی زمانہ اس کی نعمت عظمیٰ سے محروم رہ جائے، یہ تو آج کل کے ہر پڑھے لکھے کا پیدائشی حق ہے۔ (باقی صفحہ ...)

علامہ شبلی کی علمی خدمات کا مختصر جائزہ

از عبد الرشید

ہر زندہ و بیدار قوم کا شعار اور دستور رہا ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے کارناموں پر نظر ڈالتی ہے اپنے اعمال و افعال کا محاسبہ کرتی ہے اور نئی امنگ، نئے جوش، نئے ولولہ اور نئے عزم کے ساتھ نئی راہوں پر گامزن ہوتی ہے اور بتدریج ارتقائی منازل طے کرتی ہے ساتھ ہی ان محبان قوم اور محسنین وطن کو بھی فراموش نہیں کرتی جنہوں نے کسی بھی طریقے سے ان کی سیاہ ترین راتوں کو اپنے خلوص کی قندیل سے روشن کیا ہے اور ان کی تاریک راتوں کو اپنے عزم و استقلال کے چراغوں سے منور کیا ہے۔ ہم لوگوں کا حال یہ ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے ہم اپنے محبان و مخلصان وطن کو بھولتے جا رہے ہیں انہی محسنین قوم اور وطن میں علامہ شبلی نعمانی مرحوم کا نام بھی آتا ہے۔ علامہ شبلی کی علمی قابلیت اور علمی خدمات نور روز روشن کی طرح عیاں ہیں قدرت نے آپ کو ایسے دور میں پیدا کیا جب کہ ملت اسلامیہ کو انہی جیسی شخصیات کی بڑی ضرورت تھی۔ غدر کے بعد ہندوستان کی علمی دنیا میں قحط الرجال کا دور دورہ تھا، اسلامی علوم و فنون مٹتے جا رہے تھے، اسلامی تہذیب اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہی تھی اور مغربی تہذیب ہر چیز پر غالب آتی جا رہی تھی۔ ان جیسے سنگین ترین حالات میں قدرت نے علامہ شبلی نعمانی کو پیدا کیا آپ مغربی تہذیب و تمدن سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ ان کا ماضی اور اپنا تمدن اس سے زیادہ تابناک اور روشن ہے ان کو اپنے مذہب پر غرور تھا، اپنے تمدن پر ناز تھا، اپنی تہذیب پر فخر ہی نہیں بلکہ اس سے عشق تھا اسی بنا پر انہوں نے سوچا کہ اسلامی علوم و فنون اور اسلاف کے کارناموں کی تجدید نو ہو جائے اور یہ ذخیرہ ایک جدید شکل میں ملت اسلامیہ کے سامنے پیش کیا جائے چنانچہ انہوں نے اپنے اس عزم کو عملی جامہ پہنا کر لوگوں کو دکھا دیا اس سلسلے میں انہوں نے جو کارہائے نمایاں دیئے اس کے احسانات سے امت اسلامیہ تا قیامت سبکدوش نہیں ہو سکتی ان کے زمانہ میں نئی نسلیں یورپین تمدن و ادب سے بہت متاثر تھیں ان کے دل و دماغ میں اگر کوئی چھایا ہوا تھا تو وہ ڈیکارٹ، لاک، ہیگل جیسے فلاسفر تھے، شیکسپیئر، ملٹن جیسے شعرا تھے، پولین، نپولین اور ابراہم لنکن جیسے سیاستداں تھے۔ علامہ شبلی نے ان لوگوں کے بجائے ایسا اسلامی شخصیتوں سے روشناس کرایا جنہیں تاریخ عالم نظر انداز نہیں کر سکتی آپ نے مغربی فلاسفروں، شاعروں، سیاست دانوں کے مقابلہ میں غزالی، ابن تیمیہ، ابن رشد وغیرہ کے کارنامے جدید شکل و لباس میں پیش کئے اور سیرۃ النعمان لکھ کر امام ابو حنیفہ جیسی عظیم الشان شخصیت سے لوگوں کو واقف کرایا۔ سیرۃ المامون لکھ کر دور عباسی کے اس بے نظیر تمدن کا تعارف کرایا جو اپنے دور میں موجودہ ماسکو، نیویارک لندن سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ ساتھ ہی ساتھ مغربی جمہوریت کے دلدادہ مسلمانوں کو متاثر کرنے کے لئے مصر، شام، استنبول کی خاک چھان کر فاروق اعظم کا جمہوری نظام اور ان کی عظیم الشان یکتائے روزگار شخصیت "الفاروق" کی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کی۔ اس کے علاوہ اعدائے اسلام کی جانب سے اسلامی تمدن اور اسلامی شخصیات پر جو اعتراضات کئے گئے تھے اس کا دندان شکن جواب "الجزیہ"، "الاسلام"، "کتب خانہ اسکندریہ"، "اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر" کے ذریعہ دیا۔

اردو پر بھی علامہ شبلی کا بہت بڑا احسان ہے شبلی نے اردو کو ایک زندہ جاوید اسلوب ہی نہیں بخشا بلکہ اردو زبان کو علمی حیثیت سے مالا مال کیا۔ شبلی نے اردو ادب کے ہر گوشہ میں بے پایاں خدمت انجام دی ہیں اور اس کی زلفیں سنواری ہیں شبلی کی "موازنہ انیس و دبیر" دنیائے اردو کی موازنہ اور تنقید نگاری کی پہلی خشت ہے جس پر آگے چل کر موجودہ عظیم الشان معیار بلند کیا گیا ہے موازنہ اور تنقید نگاری کا فن جتنا بھی ترقی کر جائے، شبلی کی اولیت پر آنچ نہیں آ سکتی، اس کے علاوہ "شعر العجم" بھی اردو ادب ... سرمایہ میں ایک نیا اور بے نظیر اضافہ ہے، علامہ شبلی کے علمی کارناموں کے ساتھ ساتھ ان کی علمی جد تیں بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ شبلی نے علمی دنیا میں دو بیش بہا خدمت انجام دیں ایک تو سیرۃ النبی کی تصنیف میں ایک نیا ڈھنگ اور نیا طریقہ ایجاد کیا اب تک یہ ہوتا آیا تھا کہ اپنی تاریخی واقعات کو دہرایا جاتا تھا جو مستند اور غیر مستند کتابوں میں مذکور تھے اس کے علاوہ تحریر کا انداز بھی فرسودہ ہو چکا تھا جس میں کسی قسم کی جدت باقی نہیں رہ گئی تھی ساتھ ہی ساتھ کتابوں میں موضوع واقعات کو بھی ایک بڑا ذخیرہ ہوتا تھا جن کو پیش کر کے مستشرقین اسلام پر اعتراض کرتے تھے، علامہ شبلی نے یہ کیا کہ سیرت کا اولین ماخذ قرآن و حدیث قرار دیا اور واقعات کی جانچ پڑتال اور تحقیق کے لئے محدثانہ اصول اختیار کیا کہ اعتراض کا ذکر کئے بغیر معترض کا پورا پورا جواب آ جائے اس حیثیت سے "سیرۃ النبی" ایک کامل ترین تصنیف ہے۔

علامہ شبلی جہاں مذکورہ بالا خصوصیات کے حامل تھے وہاں وہ ایک پختہ گو شاعر بھی تھے لیکن ان کا علم و کمال ان کی شاعری پر ایسے غالب آئے کہ ان کا شاعر ہونا بہت کم لوگوں کو معلوم ہے حالانکہ تمام شعر کہنے میں خصوصی ملکہ رکھتے تھے ان کی شاعری کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جدید تقاضوں اور رجحانات کے عمل حامل ہو سکتی ہے ... شاعری، گل و بلبل، عشق و جنون زلف و گیسو تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ شبلی نے اردو شاعری کی تمام صنفوں میں رنگ بھرا ہے انہوں نے مثنوی، قصیدہ اور نظموں میں جو نئی چیزیں پیش کی ہیں در حقیقت انہیں چیزوں کا نقاد ہے کہ اقبال مرحوم نے شاعری کے وہ فلک بوس منار بلند کئے ہیں جس کے کنگرے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں شبلی کی شاعری میں کیا چیز موجود نہیں ہے، صحیح جذبات کی عکاسی، آزادی کی لگن و تڑپ ہے، حقائق کی منظر نگاری ہے، ماضی کی داستان ہے، مستقبل کی فکر ہے، سوز و ساز ہے، امید و بیم ہے اور یہ وہ تمام چیزیں ہیں جو کسی بھی صنف شاعری کی بنیادی ہیں۔

الغرض علامہ شبلی نعمانی جامع کمالات شخصیت کے مالک تھے عربی و فارسی اور اردو پر انہیں یکساں عبور حاصل تھا وہ بیک وقت محقق و مورخ، مصنف و متکلم، عالم، فلسفی، ادیب و شاعر اور نقاد سمجھے جاتے تھے ان کی تصنیفات و تالیفات سے ہر طبقہ اور ہر مزاج کا شخص ایک حد تک فائدہ اٹھا سکتا ہے کبھی ان کا طائر تخیل فلسفہ و تاریخ کے ریگزاروں پر پرواز کرتا ہے تو کبھی تحقیق و تنقید کے کوہساروں پر اپنا سایہ ڈالتا ہے اور کبھی گلستان شعر و ادب کی نوک پلک درست کر کے اسی کی خوشبو ... انداز ہوتا ہے۔ مولانا کی قابلیت علمی ذہانت و متانت اور اس کے وسعت مطالعہ کا عکس ہیں ان کی وہ متعدد تصانیف و تالیفات ہیں جن کے نام ابھی اوپر گزر چکے ہیں یوں تو مولانا کی ہر کتاب اپنی جگہ پر سب سے زیادہ بہترین کتاب ہے لیکن ان میں پھر بھی بعض کو اولیت کا فخر حاصل ہے مولانا شبلی کا ایک ایک جملہ ادب کا ایک ایک گوہر نایاب ہے ان کا ہر فقرہ ادب کا بیش قیمت مرقع ہے ان کے صحیفہ ادب کا ہر ہر سواد بادہ شعور کے لئے جام اور بادہ گلگوں ہے جیسا کہ دور حاضر کے مشہور ادیب و نقاد نگار مولانا عبد الماجد دریابادی کا بیان ہے کہ وہ شبلی کی تحریروں کو صحیفہ نہیں تھے بلکہ ان کی تلاوت کرتے تھے شبلی کی تحریروں کی پختگی ان کے الفاظ و معانی کی صحت و پختگی عبارت کی چستی و روانی ان کی فصاحت و بلاغت ایسی خصوصیات ہیں جن کو الفاظ کا جامہ پہنانے سے زبان قاصر اور قلم عاجز ہے۔ ع

شبلی کا نام ہوا اور مدح باقی ہے

... اس تحریر کی کے لئے

یہ مقالہ بزم سلیمانی کے ایک جلسہ میں پڑھا گیا

منی آرڈر کوپن پر نام

و پتہ

خوش خط تحریر کیجئے

میں نے اسلام کس طرح قبول کیا

عربی سے ترجمہ

ڈاکٹر عبدالکریم جرمانوس (ہنگری)

حفیظ الرحمٰن الاعظمی

میں اپنے عنفوان شباب میں موسم باراں کی خوشگوار سہ پہر کو ایک باتصویر رسالہ پڑھ رہا تھا۔ اس میں عصر حاضر کے مباحث کے ساتھ ساتھ دلچسپ افسانے اور دور دراز ملکوں کے حالات موجود تھے۔ میں رسالہ کے اوراق الٹ پلٹ کر رہا تھا کہ اچانک میری نگاہ ایک تصویر پر آکر رک گئی اور اس نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔ یہ تصویریں کچھ چھت دار مکانوں کی تھیں، جابجا کچھ گنبد اور مینار آسمان کی طرف بلند تھے۔ اور بہت سے آدمی زرق و برق لباس پہنے ہوئے سیدھی صفوں میں دو زانوں بیٹھے ہوئے تھے۔

تصویر کا یہ منظر ہمارے مغربی ماحول سے بالکل مختلف تھا، اس لئے میری نظر اس پر مرکوز ہو کر رہ گئی۔ ایک شخص دلکش قصے سامعین کے سامنے بیان کر رہا تھا اور سب لوگ ٹوپی پہنے ہوئے تھے مجھ کو ایسا محسوس ہوا کہ میں سامعین کے زمرہ میں شریک ہو کر اس شخص کی باتیں بغور سن رہا ہوں۔ یہ منظر دیکھ کر ایک نامعلوم سی بے چینی میرے اندر پیدا ہوئی میں نے اس تصویر کا مفہوم سمجھنا چاہا۔ میں نے ترکی زبان پڑھنی شروع کر دی۔ مجھے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ ترکی ادب میں اس کے اپنے الفاظ بہت کم ہیں، اس کی نظم میں فارسی اور نثر میں عربی عنصر غالب ہے۔ اب میں نے ترکی کے ساتھ عربی اور فارسی کی تحصیل شروع کر دی تاکہ میں اپنے آپ کو اس روحانی دنیا میں داخل ہونے کے قابل بنا سکوں جس کی تابانیوں نے انسانیت کو جگمگا دیا تھا۔

خوش قسمتی سے ایک مرتبہ موسم گرما کی تعطیلات میں بوسنیہ کے سفر کا اتفاق ہوا۔ یہ ایشیائی ملکوں میں ہمارے ملک سے سب سے قریبی ملک ہے وہاں میں نے ایک ہوٹل میں قیام کیا اور مسلمانوں کو دیکھنے کا موقع ملا۔

رات کا وقت تھا مدھم روشنی سڑکوں پر پڑ رہی تھی میں ایک کم حیثیت قہوہ خانے میں داخل ہوا۔ اندر معمولی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے دو بوسنی شخص قہوے سے لطف اندوز ہو رہے تھے وہ ترکوں کے سے روائتی کشادہ پجامے پہنے ہوئے تھے جو کمر پر پیٹیوں کے ذریعہ بندھے ہوئے تھے ہر ایک کی پیٹی میں ایک خنجر لٹک رہا تھا پوشاک اور وضع قطع سے وہ فوجی معلوم ہو رہے تھے میں دھڑکتے دل کے ساتھ ان سے کچھ دوری پر ایک اسٹول پر بیٹھ گیا جو پر سکون جگہ تھی۔ ان دونوں نے میری طرف متجسس نگاہوں سے دیکھا۔ میری رگوں کا خون منجمد ہو گیا اسی وقت وہ تمام قصے ذہن میں تازہ ہو گئے جو میں کتابوں میں مسلمانوں کے متعصبانہ تشدد اور عدم رواداری کی بابت پڑھ چکا تھا۔ وہ دونوں سرگوشی کر رہے تھے اور جہاں تک میں سمجھ سکا موضوع سخن اس وقت قہوہ خانے میں میری غیر متوقع موجودگی تھی۔ میں خوف زدہ ہونے لگا کہیں وہ اپنے خنجروں سے مجھ پر حملہ آور نہ ہو جائیں اس خطرناک ماحول سے نکل جانے کا قصد کیا لیکن مجھ میں اٹھنے کی سکت باقی نہ تھی۔ میں اس پریشانی میں مبتلا تھا کہ قہوہ خانے کے ملازم نے خوشبودار قہوے کی ایک پیالی لا کر میرے سامنے رکھ دی اور ان خوفناک آدمیوں کی طرف اشارہ کیا کہ یہ انھوں نے بھیجی ہے۔ میں نے ان آدمیوں پر گہری نگاہ ڈالی ان میں سے ایک نے متبسم چہرے کے ساتھ نرم اور شیریں آواز میں سلام کیا میں نے بادل ناخواستہ مصنوعی تبسم کے ساتھ سلام کا جواب دیا۔

میرے دونوں مفروضہ دشمن اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آ گئے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ کم از کم مجھے ہوٹل سے نکال باہر کر دیں گے لیکن انہوں نے پہلے سے کہیں زیادہ شیریں لہجہ میں سلام کیا اور میری چھوٹی میز کے سامنے بیٹھ گئے ایک نے تمباکو کے سگار پیش کیا ان کے شریفانہ برتاؤ سے مجھے محسوس ہونے لگا کہ اس فوجی لباس کے اندر خلیق اور متواضع روح پوشیدہ ہے میں نے ہمت کر کے ان سے سلسلۂ کلام ترکی زبان میں شروع کیا اس اجنبیت کے ہوتے ہوئے میری گفتگو بڑی کارگر ثابت ہوئی اور اس نے جادو کا کام کیا یہاں تک کہ ان کے چہروں پر صداقت و محبت کے آثار نمایاں ہو گئے اور انہوں نے بڑے خلوص کے ساتھ مجھے اپنے یہاں مدعو کیا اور میرے ساتھ فراخ دلی اور خیر خواہی کا اظہار کیا حالانکہ مجھ کو یہ اندیشہ ہو چکا تھا کہ عنقریب وہ مجھ پر خنجروں سے حملہ آور ہو جائیں گے۔

مسلمانوں سے ذاتی طور پر میری پہلی ملاقات تھی دن مہینے برس گوناگوں واقعات و حوادث اپنے دامن میں لے کر آتے اور گزرتے رہے علم کا ہر مسئلہ اور زمانہ کا ہر واقعہ مجھے ایک نئے تجربہ سے دوچار کر رہا تھا۔

میں نے تمام یورپین ممالک کی سیاحت کی قسطنطنیہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی ایشیائے کوچک اور شام کی تاریخی یادگاروں کا مشاہدہ کیا۔ عربی، فارسی، اور ترکی میں فارغ التحصیل ہو کر یونیورسٹی بوڈاپسٹ میں شعبہ اسلامیات کا صدر مقرر ہو گیا۔

میں نے صدیوں کی تصنیف شدہ علمی کتابوں کے ذخیرہ کا بڑی حد تک مطالعہ کیا، اور ہزارہا صفحات کی ورق گردانی کر ڈالی لیکن کتابی معلومات کا ذخیرہ میرے قلب کو تسکین نہ دے سکا، دماغ سیراب ہو گیا تھا لیکن روح میں تشنگی باقی رہی میری روح مذہب کے سدا بہار چمن سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھی، میں چاہتا تھا کہ جس طرح بچے لوہے کو آگ میں ڈال کر اسے فولادی شکل دے دیتے ہیں اسی طرح میرا علم روحانیت کے سوز سے تپ کر کندن و کیمیا بن جائے۔

ایک رات پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ کی ریش مبارک حنا شدہ تھی لباس سادہ اور پاکیزہ تھا اس سے ایک عجیب روح پرور خوشبو نکل رہی تھی آپ نے نہایت دلآویز لہجے میں ارشاد فرمایا: "تم کیوں پریشان ہو؟ جادۂ مستقیم تمھارے سامنے ہے، یقین اور ایمان کی قوت سے اس پر گامزن ہو جاؤ۔"

میں نے ہمت کر کے عربی میں کہا۔

"آپ جیسی عظیم ہستی کے لئے یہ بات بہت آسان تھی جسے خداوند تعالیٰ نے مافوق الفطرت طاقت سے سرفراز کیا ہے جس نے منصب نبوت پر فائز ہو کر تائید غیبی سے دشمنوں پر فتح کامل حاصل کی اور میرا حال یہ ہے کہ راہ پر خطر نظر آتی ہے اور مجھے نہیں معلوم کہ کب میرے قلب کو اطمینان و سکون نصیب ہو گا؟"

آپ نے ذرا تیز نگاہ سے میری طرف دیکھا پھر کچھ تامل کے بعد ارشاد فرمایا۔ آپ کی زبان کچھ اس طرح پر شکوہ اور فصیح تھی کہ اس کا ہر لفظ خوشگوار بانگ درا کی مانند میرے کانوں میں رس گھول رہا تھا۔ اور آپ کی زبان پیغمبری سے جو کلمات ادا ہو رہے تھے وہ گویا میرے سینے میں اتر رہے تھے۔

الم نجعل الارض مهادا والجبال اوتادا وخلقناكم ازواجا وجعلنا نومكم سباتا

(النبأ ۵)

"کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا، اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا بنایا اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت کی چیز بنایا۔"

اس کے بعد میں اچانک بیدار ہوا اور کراہتے ہوئے کہا "اب مجھے نیند نہیں آسکتی میں اس راز کو نہیں سمجھ سکتا جو پردوں میں نہاں ہے" اتنے میں میرے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی اور پکار اٹھا "اغثنی یا محمد، اغثنی یا رسول اللہ" بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا گویا اس عجیب خواب کی ہیبت سے گھبرا چکا تھا اور آپ کے غیظ و غضب کا اندیشہ ہونے لگا پھر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ مجھ پر گہری نیند طاری ہو گئی اس کے بعد اچانک میں بیدار ہوا، بیدار ہوتے ہی دوران خون تیز ہو گیا سارا جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا جوڑ جوڑ میں درد تھا زبان گنگ ہو گئی تھی بے حد اضمحلال اور تنہائی کا احساس ہو رہا تھا۔

اعجاز قرآنی

تحریر: مناع القطان —— ترجمہ و تلخیص و اضافہ: سید عبداللہ الاسعدی متعلم دارالعلوم دیوبند

(۲)

وجوہ اعجاز: اس سلسلہ میں کچھ اختلاف ہے۔

(۱) ابواسحاق ابراہیم نظام اور ان کے ہمنوا جیسے کہ مرتضیٰ اہل تشیع میں سے اور ابن کثیر کے بیان کے مطابق معتزلہ وغیرہ کا مذہب ہے کہ اعجاز قرآنی کی وجہ صرفہ ہے البتہ نظام اور مرتضیٰ کے درمیان صرفہ کی تفسیر میں اختلاف ہے نظام کا قول ہے کہ اللہ نے عرب کو باوجود معارضہ کی قدرت ہونے کے معارضہ سے روک دیا۔ اس کو وجود میں لانے کی قوت ان کو تھی لیکن صرف بطور خرق عادت کے تھا اور مرتضیٰ کا کہنا ہے کہ اللہ نے ان سے وہ علوم سلب کر لئے جن کی معارضہ کے اندر حاجت پڑتی ہے۔

مگر یہ قول خود قائل کے عجز پر دال ہے اس لئے کہ اس صورت میں تو اعجاز قرآن کا ثابت نہ ہوتا بلکہ یہ تو اعجاز خداوندی ہوگا اور گفتگو اعجاز قرآنی کے سلسلے میں ہے اور وہ ثابت ہے اور ثابت رہے گا۔

(۲) بعض حضرات کا خیال ہے کہ قرآن کا اعجاز اس کی بلاغت کی بنا پر ہے کہ ایسی بلاغت کی مثال نہیں ملتی۔

مگر یہ نظر محض ان عربی کے دلدادہ حضرات کا ہے جن کی نظر محض الفاظ اور صور معانی پر رہتی ہے۔

(۳) بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم فن بدیع کی ایسی مثالوں پر مشتمل ہے جو عام کلام عرب میں ملنے والی مثالوں کی نسبت سے اپنے اندر غرابت رکھتی ہیں۔

(۴) بعض نے کہا اس کی وجہ اس کا ایسی مغیبات کے بارے میں خبر دینا ہے جن پر وحی کے ذریعہ ہی مطلع ہوا جا سکتا ہے یا ان کی خبر دینا جو ابتدائے آفرینش سے پیش آ چکے ہیں اور جن کو ایک ایسا امی "جو پڑھے لکھے لوگوں میں کبھی نہ رہا ہو" بیان کر سکتا ہو۔

(۵) ایک جماعت کا کہنا ہے کہ قرآن اپنے مختلف علوم اور وسیع معلومات کی بنا پر معجز ہے۔

(۶) ابن کثیر نے وجوہ اعجاز کے تحت لکھا ہے کہ بعض متکلمین نے ایسی بات اعجاز کے سلسلہ میں کہی ہے جو اہل سنت والجماعت اور معتزلہ کے قولوں کے درمیان ہے معتزلہ کا قول گزر چکا ہے اہل السنہ کا قول ذرا آگے آجائے گا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر قرآن بذات خود معجز ہے کہ انسان اس جیسی چیز پیش کرنے سے عاجز ہے اور قرآن کا معارضہ کرنا اس کے بس میں نہیں ہے تو مدعی حاصل ہے اور اگر ان کے امکان میں اس کا معارضہ ہو مگر اس کے باوجود وہ اپنی عداوت کے دین اور دینداروں سے وجود میں نہیں لا سکے تو یہ دلیل ہے اس کی کہ یہ بھی خدا کی جانب سے ہے یا یوں کہو کہ خدا نے ان کو اس کے معارضہ سے باوجود اس پر قدرت کے عاجز کر دیا ہے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ توجیہ اگرچہ عام طور پر پسند کی گئی ہے مگر بدرجہ تنزلی اس کو بھی لے لیا گیا ہے چنانچہ امام رازی نے بھی چھوٹی سورتوں کی بلاغت کے سلسلہ میں یہی جواب دیا ہے۔

(ص ۹۱ ج ۱)

(۷) اور حقیقت یہ ہے اور یہی اصل ہے کہ قرآن تمام معانی کے ساتھ معجز ہے جن کو یہ بخوبی شامل ہے قرآن اپنے الفاظ اور اسلوب کے اعتبار سے بھی معجز ہے حتیٰ کہ ایک حرف بھی اس کا اپنی جگہ پر اس معنی کر کے معجز ہے کہ ایک کلمہ کے بنانے میں اس کی حاجت پڑتی ہے اور کلمہ اس معنی کر کے کہ جملہ کی ترکیب میں اس کی حاجت پڑتی ہے اور جملہ اس معنی کر کے کہ آیت کی اس سے ترکیب آتی ہے۔

قرآن اپنے بیان و نظم کے اعتبار سے بھی معجز ہے کہ اس کے پڑھنے والے اپنے سامان زندگی کائنات اور انسان کی ایک زندہ تصویر دیکھتا اور محسوس کرتا ہے۔

وہ معانی کے اعتبار سے بھی معجز ہے جس نے انسانیت کا پردہ بالکل چاک کر دیا ہے وہ اپنے ان مختلف علوم و معارف کے اعتبار سے بھی معجز ہے جن میں سے بہت سے علوم معارف کی حقائق کو دور جدید اور علم جدید نے ثابت کر دیا ہے۔ اور وہ اپنی تشریع کے اعتبار سے بھی معجز ہے اور ایسے حقوق انسانیت کی حفاظت اور ایک مثالی معاشرہ کے جو دنیا کو امن و سعادت بخش سکے اس کے اعتبار سے بھی معجز ہے۔

اور قرآن ہی ہے جس نے کہ عربوں کو جو بکریوں کے چرواہے تھے بڑے بڑے امتوں کا قائد و سپہ سالار اور سیاست کا کھلاڑی بنا دیا اور یہ چیز خود اعجاز ہے اسی سے ملتی جلتی بات ابن کثیر نے بھی کہی ہے اور انھوں نے بھی یہی ثابت کیا ہے کہ اس کی کوئی خاص چیز متعین طور پر معجز نہیں ہے بلکہ اس کا اعجاز پورے مجموعہ کے لئے عام ہے یہی بات شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے رسالہ الفوز الکبیر میں فرمایا ہے کہ قرآن من کل الوجوہ معجز ہے اور پھر اس کی تفصیل کی ہے اور انہیں سے یہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ سب سے بڑا اعجاز ہے قرآن کا اعتدی ہونا کہ ایک جگہ چیلنج میں یہ کہا گیا ہے کہ ایسی کتاب جو اس سے اہدیٰ ہو معلوم ہوا کہ دراصل وجہ اعجاز قرآن کی ہدایت ہے۔ اعجاز قرآنی کے سلسلہ میں ایک اختلاف اور ہے کہ مقدار معجز کیا ہے۔

(۱) معتزلہ کا کہنا ہے کہ اعجاز کا تعلق سارے قرآن سے ہے بعض سے نہیں یعنی چیلنج پورے مجموعہ کیلئے ہے یا بڑی سورتوں کے لئے اور رہیں چھوٹی سورتیں تو ان کے بارے میں یہ چیلنج نہیں ہے۔

اس کا جواب امام رازی نے دیا ہے اور اس سے پہلے خود ہی ایک سوال قائم کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ فاتوا بسورۃ من مثلہ سورۂ کوثر اور والعصر وغیرہ کو بھی شامل ہے حالانکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ایسی یا اس کے قریب قریب مثال پیش کرنا ممکن ہے اور یہ کہنا کہ ایسا انسانی طاقت سے باہر ہے یہ کھلا ہے بلکہ بیجا بڑائی ہے تو جواب یہ ہے کہ عام طریق پر مگر طریق ثانی پر یہ ہے کہ اگر سورت قرآن کے انتہائی اعجاز کی حامل ہو تب تو مقصود حاصل ہے ورنہ ان کا معارضہ سے باز رہنا ہی معجزہ ہے باوجود ان کے کہ ان کی دین سے عداوت کا فطری تقاضہ ہی معارضہ کا ہے۔ حاصل یہ کہ اعجاز دونوں صورتوں میں ثابت ہے۔ (ابن کثیر ص ۶۲ ج ۱)

(۲) دوسرا نظریہ اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اعجاز کا تعلق پوری سورت سے ہے اگرچہ وہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہو کم از کم اتنا حصہ ایک آیت یا چند آیات کی بقدر ہو۔

(۳) تیسرا نظریہ یہ ہے کہ قلیل و کثیر سب معجز ہے

اس سلسلہ میں ابن کثیر فرماتے ہیں کہ "فاتوا بسورۃ من مثلہ" اور "بسورۃ مثلہ" قرآن کی ہر صورت کو عام ہے چھوٹی ہو یا بڑی کیوں کہ سورۃ کا لفظ یہاں شرط کے سیاق میں کیا گیا ہے اور اس صورت میں بھی نکرہ میں عموم پیدا ہو جاتا ہے اور اس سلسلے میں مجھے متقدمین و متاخرین کسی کے اختلاف کا علم نہیں ہے پھر کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں۔ کہ صحیح یہی ہے کہ قرآن کی ہر سورت خواہ چھوٹی ہو یا بڑی معجز ہے کوئی انسان اس کے معارضہ کی استطاعت نہیں رکھتا۔ امام شافعی کا قول ہے کہ اگر لوگ اس سورت پر غور کر لیں تو وہ ان کو کافی ہو جائے۔ والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر

ہم اوپر یہ ذکر کر چکے ہیں کہ قرآن نے چیلنج تین طرح سے کیا ہے کل قرآن سے عشر سورے اور محض ایک سورت سے اور اسی طرح "بحدیث مثلہ" کے لفظ سے بھی چیلنج کیا ہے ان چاروں قسم کی آیات کو جمع کرنے کے بعد یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اعجاز کا تعلق کسی متعین مقدار سے نہیں ہے بلکہ وہ عام ہے کیوں کہ محض قرآن کی آواز میں ہی ایک طرح کا اعجاز ہے چہ جائیکہ آیات اور سورتیں، پھر قرآن تو سارا کا سارا ہی کلام الٰہی ہے اور یہ قرآن کریم کے اعجاز ہی کا نتیجہ ہے کہ کفار و مشرکین کے سلسلہ میں اس کے سماع کو ہی حجت ملزمہ قرار دے دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ "وان احد من المشركين استجارك فاجره حتى يسمع كلام الله" یعنی سماع کلام اللہ کے بعد پھر اس کے لئے کوئی گنجائش نہ رہے گی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن کا اعجاز اگرچہ حسی اور صوری ہے لیکن وہ سارے سابقہ معجزات سے قوی ہے چنانچہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے "وقالوا لولا انزل عليه آيات من ربه قل انما الآيات عند الله وانما انا نذير مبين اولم يكفهم انا انزلنا عليك الكتاب يتلى عليهم" (۵۰، ۵۱ العنکبوت)

اس میں کہا گیا ہے اس تمہید کے بعد کہ کفار معجزات حسیہ کا مطالبہ کرتے ہیں تو "ہمارے پاس ہے آپ کہہ دیجئے اور آپ کی حیثیت محض نذیر کی ہے"

اعجاز قرآنی

تحریر: مناع القطان — ترجمہ و تلخیص از جناب سید عابد اللہ الاسعدی معلم دار العلوم ندوہ

(۲)

وجوہ اعجاز:۔ اس سلسلہ میں کچھ اختلاف ہے۔

(۱) ابو اسحاق ابراہیم النظام اور ان کے ہمنوا جیسے کہ مرتضیٰ اہل تشیع میں سے اور ابن کثیر کے بیان کے مطابق معتزلہ وغیرہ کا مذہب، یہ ہے کہ اعجاز قرآنی کی وجہ صرفہ ہے البتہ نظام اور مرتضیٰ کے درمیان میں صرفہ کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ نظام کا قول ہے کہ اللہ نے عرب کو باوجود معارضہ کی قدرت ہونے کے معارضہ سے باز رکھا اس کو وجود میں لانے کی قوت ان کو نہ دی تو یہ صرفہ بطور خرق عادت کے تھا اور مرتضیٰ کا کہنا ہے کہ اللہ نے ان سے وہ علوم سلب کر لیے جن کی معارضہ کے اندر حاجت پڑتی ہے۔

مگر یہ قول خود قائل کے عجز پر دال ہے اس لئے کہ اس صورت میں تو اعجاز قرآن کا ثابت ہوتا بلکہ یہ تو اعجاز خداوندی ہوگا اور گفتگو اعجاز قرآنی کے سلسلے میں ہے اور وہ ثابت ہے اور ثابت رہے گا۔

(۲) بعض حضرات کا خیال ہے کہ قرآن کا اعجاز اس کی بلاغت کی بنا پر ہے کہ ایسی بلاغت کی مثال نہیں ملتی۔

مگر یہ نظریہ محض ان عربی کے دلدادہ حضرات کا ہے جن کی نظر محض الفاظ اور صرف معانی پر رہتی ہے۔

(۳) بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم فن بدیع کی ایسی مثالوں پر مشتمل ہے جو عام کلام عرب میں ملنے والی مثالوں کی نسبت سے اپنے اندر غرابت رکھتی ہیں۔

(۴) بعض نے کہا اس کی وجہ اس کا ایسی مغیبات کے بارے میں خبر دینا ہے جن پر وحی کے ذریعہ ہی مطلع ہوا جا سکتا ہے یا ان کی خبر دینا جو ابتدائے آفرینش سے پیش آ چکے ہیں اور جن کو ایک ایسا "امی" جو پڑھے لکھے لوگوں میں کبھی نہ رہا ہو بیان کر سکتا ہو۔

(۵) ایک جماعت کا کہنا ہے کہ قرآن اپنے مختلف علوم اور بلیغ حکمتوں کی بنا پر معجز ہے۔

(۶) ابن کثیر نے وجوہ اعجاز کے تحت لکھا ہے کہ بعض متکلمین نے ایسی بات اعجاز کے سلسلہ میں کہی ہے جو اہل سنت والجماعت اور معتزلہ کے قول کے درمیان ہے۔ معتزلہ کا قول گزر چکا ہے۔ اہل السنت کا قول (آگے آ جائے گا) اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر قرآن بذات خود معجز ہے کہ انسان اس جیسی چیز پیش کرنے سے عاجز ہے اور قرآن کا معارضہ کرنا اس کے بس میں نہیں ہے تو مدعا حاصل ہے اور اگر ان کے امکان میں اس کا معارضہ ہو مگر اسے باوجود وہ اپنی عداوت کے دین اور اشاعت دین سے وجود میں نہیں لا سکے تو یہ دلیل ہے اس کی کہ یہ بھی خدا کی جانب سے ہے یعنی ہوا کہ خدا نے ان کو اس کے معارضہ سے باوجود اس پر قدرت کے عاجز کر دیا ہے۔ اس کے بعد ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ توجیہ اگرچہ عام طور پر قائم کی گئی ہے مگر بدرجہ تنزلی اس کو بھی لے لیا گیا ہے چنانچہ امام رازی نے بھی چھوٹی سورتوں کی بلاغت کے سلسلہ میں یہی جواب دیا ہے۔ (الاتقان ۱)

(۷) اور حقیقت یہ ہے اور یہی اصل ہے کہ قرآن تمام معانی کے ساتھ معجز ہے جن کو یہ لفظ شامل ہے قرآن اپنے الفاظ اور اسلوب کے اعتبار سے بھی معجز ہے حتیٰ کہ ایک حرف بھی اس کا اپنی جگہ پر ہے یعنی یہ کہ معجز ہے کہ ایک کلمہ کے بنانے میں اس کی حاجت پڑتی ہے اور کلمہ اس معنی کو کہ جملہ کی ترکیب میں اس کی حاجت پڑتی ہے اور جملہ اس معنی کو کہ آیت کی اس سے ترکیب آتی ہے۔

قرآن اپنے بیان و نظم کے اعتبار سے بھی معجز ہے کہ اس کے پڑھنے والے اپنے سامان زندگی کائنات اور انسان کی ایک زندہ تصویر دیکھتا اور محسوس کرتا ہے۔

وہ معانی کے اعتبار سے بھی معجز ہے جس نے انسانیت کا پردہ بالکل چاک کر دیا ہے وہ اپنے ان مختلف علوم و معارف کے اعتبار سے بھی معجز ہے جن میں سے بہت سے علوم معارف کی حقائق کو دور جدید اور علم جدید نے ثابت کر دیا ہے۔ اور وہ اپنی تشریع کے اعتبار سے بھی معجز ہے اور ایسے حقوق انسانیت کی حفاظت اور ایک مثالی معاشرہ کے جو دنیا کو امن و سعادت بخش سکے اس کے اعتبار سے بھی معجز ہے۔

اور قرآن ہی ہے جس نے کہ عربوں کو جو بکریوں کے چرواہے تھے بڑی بڑی امتوں کا قائد و سپہ سالار اور ریاست کا کھلاڑی بنا دیا اور یہ چیز خود اعجاز ہے اسی سے ملتی جلتی بات ابن کثیر نے بھی کہی ہے اور انھوں نے بھی یہی ثابت کیا ہے کہ اس کی کوئی خاص چیز متعین طور پر معجز نہیں ہے بلکہ اس کا اعجاز پورے مجموعہ کے لئے عام ہے یہی بات شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے رسالہ الفوز الکبیر میں فرمایا ہے کہ قرآن من کل الوجوہ معجز ہے اور پھر اس کی تفصیل کی ہے اور انہیں سے یہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ دراصل اعجاز ہے قرآن کا اہدیٰ ہونا کہ ایک جگہ چیلنج میں یہ کہا گیا ہے کہ ایسی کتاب جو اس سے اہدیٰ ہو معلوم ہوا کہ دراصل وجہ اعجاز قرآن کی ہدایت ہے۔ اعجاز قرآنی کے سلسلہ میں ایک اختلاف اور ہے کہ مقدار معجز کیا ہے۔

(۱) معتزلہ کا کہنا ہے کہ اعجاز کا تعلق سارے قرآن سے ہے بعض سے نہیں یعنی چیلنج پورے مجموعہ کے لئے ہے یا بڑی سورتوں کے لئے اور یہیں چھوٹی سورتیں تو ان کے بارے میں یہ چیلنج نہیں ہے

اس کا جواب امام رازی نے دیا ہے اور اس سے پہلے خود ہی ایک سوال قائم کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ فاتوا بسورة من مثله سورہ کوثر اور والعصر وغیرہ کو بھی شامل ہے حالانکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ایسی یا اس کے قریب قریب مثال کا پیش کرنا ممکن ہے اور یہ کہنا کہ ایسا انسانی طاقت سے باہر ہے یہ غلط ہے بلکہ بیجا بڑائی ہے تو جواب یہ ہے کہ عام طریق پر علیٰ طریق ثانی یہ ہے کہ اگر سورت قرآن کے انتہائی اعجاز کی حامل ہوتی تو مقصود حاصل ہے ورنہ ان کا معارضہ سے باز رہنا ہی معجز ہے باوجود ان کے کہ ان کی دین سے عداوت کا فطری تقاضہ ہی معارضہ کا ہے۔ حاصل یہ کہ اعجاز دونوں صورتوں میں ثابت ہے۔ (ابن کثیر ص ۶۲ ج ۱)

(۲) دوسرا نظریہ اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اعجاز کا تعلق پوری سورت سے ہے اگرچہ وہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہو کم از کم اتنا حصہ ایک آیت یا چند آیات کی بقدر ہو۔

(۳) تیسرا نظریہ یہ ہے کہ قلیل و کثیر سب معجز ہے

اس سلسلہ میں ابن کثیر فرماتے ہیں کہ "فاتوا بسورة من مثله" اور "بسورة مثله" قرآن کی ہر صورت کو عام ہے چھوٹی ہو یا بڑی کیوں کہ سورۃ کا لفظ یہاں شرط کے سیاق میں کیا گیا ہے اور اس صورت میں بھی نکرہ میں عموم پیدا ہو جاتا ہے اور اس سلسلے میں مجھے متقدمین و متاخرین کسی کے اختلاف کا علم نہیں ہے پھر کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ قرآن کی ہر سورت خواہ چھوٹی ہو یا بڑی معجز ہے کوئی انسان اس کے معارضہ کی استطاعت نہیں رکھتا۔ امام شافعی کا قول ہے کہ اگر لوگ اس سورت پر غور کر لیں تو وہ ان کو کافی ہو جائے۔ والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر

ہم اوپر یہ ذکر کر چکے ہیں کہ قرآن نے چیلنج تین طرح سے کیا ہے کل قرآن سے عشر سورے اور محض ایک سورت سے اور اسی طرح بحدیث مثلہ" کے لفظ سے بھی چیلنج کیا ہے ان چاروں قسم کی آیات کو جمع کرنے کے بعد یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اعجاز کا تعلق کسی متعین مقدار سے نہیں ہو بلکہ وہ عام ہے کیوں کہ محض قرآن کی آواز میں ہی ایک طرح کا اعجاز ہے چہ جائیکہ آیات اور سورتیں، پھر قرآن تو سارا کا سارا ہی کلام الٰہی ہے اور یہ قرآن کریم کے اعجاز ہی کا نتیجہ ہے کہ کفار و مشرکین کے سلسلہ میں اس کے سماع کو ہی محبت لازمہ قرار دیدیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

"وان احد من المشركين استجارك فاجره حتى يسمع كلام الله" یعنی سماع کلام اللہ کے بعد پھر اس کے لئے کوئی گنجائش نہ رہے گی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن کا اعجاز اگرچہ حسی اور ظہوری ہے لیکن وہ سارے سابقہ معجزات سے قوی ہے چنانچہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے "وقالوا لولا انزل عليه آيات من ربه قل انما الآيات عند الله وانما انا نذير مبين اولم يكفهم انا انزلنا عليك الكتاب يتلى عليهم" (۵۰-۵۱ العنکبوت)

اس میں کہا گیا ہے اس تمہید کے بعد کہ کفار معجزہ حسی کا مطالبہ کرتے رہیں تو ہمارے پاس سب ہے آپ کہہ دیجئے اور آپ کی حیثیت محض نذیر کی ہے

میں نے اسلام کس طرح قبول کیا

عربی سے ترجمہ

ڈاکٹر عبدالکریم جرمانوس (ہنگری)

حفیظ الرحمٰن الاعظمی

میں اپنے عنفوان شباب میں موسم باراں کی خوشگوار سہ پہر کو ایک باتصویر رسالہ پڑھ رہا تھا اس میں عصر حاضر کے مباحث کے ساتھ ساتھ دلچسپ افسانے اور دور دراز ملکوں کے حالات موجود تھے۔ میں رسالہ کے اوراق الٹ پلٹ کر رہا تھا کہ اچانک میری نگاہ ایک تصویر پر آ کر رک گئی اور اس نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرا لی۔ یہ تصویر کچھ چھت دار مکانوں کی تھیں۔ جا بجا کچھ گنبد اور مینار آسمان کی طرف بلند تھے۔ اور بہت سے آدمی زرق و برق لباس پہنے ہوئے سیدھی صفوں میں دو زانوں بیٹھے ہوئے تھے۔

تصویر کا یہ منظر ہمارے مغربی ماحول سے بالکل مختلف تھا، اس لئے میری نظر اس پر مرکوز ہو کر رہ گئی۔ ایک شخص دلکش قصے سامعین کے سامنے بیان کر رہا تھا اور سب لوگ ٹوپی پہنے ہوئے تھے مجھ کو ایسا محسوس ہوا کہ میں سامعین کے زمرہ میں شریک ہو کر اس شخص کی باتیں بغور سن رہا ہوں۔ یہ منظر دیکھ کر ایک نامعلوم سی بے چینی میرے اندر پیدا ہوئی میں نے اس تصویر کا مفہوم سمجھنا چاہا۔ میں نے ترکی زبان پڑھنی شروع کر دی۔ مجھے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ ترکی ادب میں اس کے اپنے الفاظ بہت کم ہیں، اس کی نظم میں فارسی اور نثر میں عربی عنصر غالب ہے۔ اب میں نے ترکی کے ساتھ عربی اور فارسی کی تحصیل شروع کر دی تاکہ میں اپنے آپ کو اس روحانی دنیا میں داخل ہونے کے قابل بنا سکوں جس کی تابانیوں نے انسانیت کو جگمگا دیا تھا۔

خوش قسمتی سے ایک مرتبہ موسم گرما کی تعطیلات میں بوسنیا کے سفر کا اتفاق ہوا۔ یہ ایشیائی ملکوں میں ہمارے ملک سے سب سے قریبی ملک ہے وہاں میں نے ایک ہوٹل میں قیام کیا اور مسلمانوں کو دیکھنے کا موقع ملا۔

رات کا وقت تھا مدھم روشنی سڑکوں پر پڑ رہی تھی میں ایک کم حیثیت قہوہ خانے میں داخل ہوا۔ اندر معمولی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے دو بوسنی شخص قہوے سے لطف اندوز ہو رہے تھے وہ ترکوں کے سے روائتی کشادہ پیجامے پہنے ہوئے تھے جو کمر پر پیٹیوں کے ذریعہ بندھے ہوئے تھے ہر ایک کی پیٹی میں ایک خنجر لٹک رہا تھا پوشاک اور وضع قطع سے وہ فوجی معلوم ہو رہے تھے میں دھڑکتے دل کے ساتھ ان سے کچھ دوری پر ایک اسٹول پر بیٹھ گیا جو پرسکون جگہ تھی۔ ان دونوں نے میری جانب متجسس نگاہوں سے دیکھا۔ میری رگوں کا خون منجمد ہو گیا اسی وقت وہ تمام قصے ذہن میں تازہ ہو گئے جو میں کتابوں میں مسلمانوں کے متعصبانہ تشدد اور عدم رواداری کی بابت پڑھ چکا تھا۔ وہ دونوں سرگوشی کر رہے تھے اور جہاں تک میں سمجھ سکا موضوع سخن اس وقت قہوہ خانے میں میری غیر متوقع موجودگی تھی۔ میں خوفزدہ ہونے لگا کہیں وہ اپنے خنجروں سے مجھ پر حملہ آور نہ ہو جائیں اس خطرناک ماحول سے نکل جانے کا قصد کیا لیکن مجھ میں اٹھنے کی سکت باقی نہ تھی۔ میں اسی پریشانی میں مبتلا تھا کہ قہوہ خانے کے ملازم نے خوشبودار قہوے کی ایک پیالی لا کر میرے سامنے رکھ دی اور ان خوفناک آدمیوں کی طرف اشارہ کیا کہ یہ انھوں نے بھیجی ہے۔ میں نے ان آدمیوں پر گہری نگاہ ڈالی پھر ان میں سے ایک نے متبسم چہرے کے ساتھ نرم اور شیریں آواز میں سلام کیا میں نے بادل ناخواستہ مصنوعی تبسم کے ساتھ سلام کا جواب دیا۔

میرے دونوں مفروضہ دشمن اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آ گئے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ کم از کم مجھے ہوٹل سے نکال باہر کر دیں گے لیکن انہوں نے پہلے سے کہیں زیادہ خیر سگالی میں سلام کیا اور میری چھوٹی میز کے سامنے بیٹھ گئے ایک نے تمباکو سے سگار پیش کیا ان کے شریفانہ برتاؤ سے مجھے محسوس ہونے لگا کہ اس فوجی لباس کے اندر خلیق اور متواضع روح پوشیدہ ہے میں نے ہمت کر کے ان سے سلسلہ کلام ترکی زبان میں شروع کیا اس اجنبیت کے ہوتے ہوئے میری گفتگو بڑی کارگر ثابت ہوئی اور اس نے جادو کا کام کیا یہاں تک کہ ان کے چہروں پر صداقت و محبت کے آثار نمایاں ہو گئے اور انہوں نے بڑے خلوص کے ساتھ مجھے اپنے یہاں مدعو کیا اور میرے ساتھ خوش اخلاقی اور خیر خواہی کا اظہار کیا حالانکہ مجھ کو یہ اندیشہ ہو چکا تھا کہ عنقریب وہ مجھ پر خنجر دل سے حملہ آور ہو جائیں گے۔

مسلمانوں سے ذاتی طور پر میری پہلی ملاقات تھی دن مہینے برس گوناگوں واقعات و حوادث اپنے دامن میں لے کر آتے اور گزرتے رہے علم کا ہر مرحلہ اور زمانہ کا ہر واقعہ مجھے ایک نئے تجربہ سے دوچار کر رہا تھا۔

میں نے تمام یورپین ممالک کی سیاحت کی قسطنطنیہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی ایشیائے کوچک اور شام کی تاریخی یادگاروں کا مشاہدہ کیا۔ عربی، فارسی، اور ترکی میں فارغ التحصیل ہو کر یونیورسٹی بوڈاپسٹ میں شعبہ اسلامیات کا صدر مقرر ہو گیا۔

میں نے صدیوں کی تصنیف شدہ علمی کتابوں کے ذخائر کا بڑی حد تک مطالعہ کیا اور ہزارہا صفحات کی ورق گردانی کر ڈالی لیکن کتابی معلومات کا ذخیرہ میرے قلب کو تسکین نہ دے سکا۔ دماغ سیراب ہو گیا تھا لیکن روح میں تشنگی باقی رہی میری روح مذہب کے سدا بہار چمن سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ جس طرح بچے لوہے کو آگ میں ڈال کر اسے فولادی شکل دیتے ہیں اسی طرح میرا علم روحانیت کے سوز سے تپ کر کندن و کیمیا بن جائے۔

ایک رات پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ کی ریش مبارک چاندی جیسی سفید تھی لباس سادہ اور پاکیزہ تھا اس سے ایک عجیب روح پرور خوشبو نکل رہی تھی آپ نے نہایت دل آویز لہجے میں ارشاد فرمایا۔

"تم کیوں پریشان ہو؟ جادۂ مستقیم تمہارے سامنے ہے، یقین اور ایمان کی قوت سے اس پر گامزن ہو جاؤ"

میں نے ہمت کر کے عربی میں کہا۔

"آپ جیسی عظیم ہستی کے لئے یہ بات بہت آسان تھی جسے خداوند تعالیٰ نے مافوق الفطرت طاقت سے سرفراز کیا ہے جس نے منصب نبوت پر فائز ہو کر تائید غیبی سے فتح و ظفر کامل حاصل کی اور میرا حال یہ ہے کہ راہ پر خطر نظر آتی ہے اور مجھے نہیں معلوم کہ کب میرے قلب کو اطمینان و سکون نصیب ہوگا؟"

آپ نے ذرا تیز نگاہ سے میری طرف دیکھا پھر کچھ تامل کے بعد ارشاد فرمایا۔ آپ کی زبان کچھ اس طرح پر شکوہ اور فصیح تھی کہ اس کا ہر لفظ خوشگوار بانگ درا کی مانند میرے کانوں میں رس گھول رہا تھا۔ اور آپ کی زبان پیغمبری سے جو کلمات ادا ہو رہے تھے وہ گویا میرے سینے میں اتر رہے تھے۔

الم نجعل الارض مهادا والجبال اوتادا وخلقناكم ازواجا وجعلنا نومكم سباتا

(النباء)

"کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا اور ہم ہی نے تم کو جوڑا جوڑا بنایا اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت کی چیز بنایا۔"

اس کے بعد میں اچانک بیدار ہوا اور کراہتے ہوئے کہا "اب مجھے نیند نہیں آ سکتی میں اس راز کو نہیں سمجھ سکتا جو پردوں میں نہاں ہے" اتنے میں میرے منہ سے بے اختیار ایک چیخ نکل گئی اور پکارا تھا "اغثنی یا محمد اغثنی یا رسول اللہ" بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا گویا اس عجیب خواب کی ہیبت سے گھبرا گیا تھا اور آپ کے غیظ و غضب کا اندیشہ ہونے لگا پھر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ مجھ پر گہری غنودگی طاری ہو گئی اس کے بعد اچانک پھر بیدار ہوتے ہی دوران خون تیز ہو گیا سارا جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا جوڑ جوڑ میں درد تھا زبان گنگ ہو گئی تھی بے حد اضمحلال اور تنہائی کا احساس ہو رہا تھا۔

دوسرے دن جمعہ کو جامع مسجد دہلی میں ایک عجیب منظر آنکھوں کے سامنے تھا بھورے بالوں والا ایک زرد رُو اجنبی چند ہم جنسوں کے ساتھ مجمع میں آہستہ آہستہ بڑھا چلا جا رہا تھا، میں ہندوستانی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ سر پر رامپوری ٹوپی تھی سینے پر سابق سلاطین ترکی کے عطا کردہ اعزازی تمغے آویزاں تھے ایک مختصر سی جماعت مجھے لئے سیدھے منبر کے سامنے پہونچی جہاں علماء اور بزرگان دین تشریف رکھتے تھے انہوں نے بلند آواز سے السلام علیکم کہہ کر استقبال کیا، میں منبر کے قریب بیٹھ گیا، میری آنکھیں بلا ارادہ تھوڑی دیر کے لئے اٹھ کر مسجد کی صنعت کاری اور محراب و منبر کی زینت کی طرف جم گئیں درمیان کی بلند محراب پر کبوتروں کی ٹکڑیوں نے چھتے لگا رکھے تھے ان کا گروہ مجمع سے بے خبر ہو کر چکر لگا رہا تھا۔

یکایک اذان کی صدا بلند ہوئی جسے دوسرے مکبروں نے جو دوسرے مناسب مقامات پر کھڑے ہوئے تھے اپنی صداؤں سے مسجد کے گوشہ گوشہ میں پہونچا دیا، اذان کے بعد تقریباً ۴ ہزار مسلمان سپاہیوں کی طرح اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کے پیچھے قریب قریب صف بستہ ہو کر خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کی نماز پڑھنے والوں میں ایک میں بھی تھا۔ یہ بڑا پرکیف اور حسین منظر تھا۔

خطبہ ختم ہونے کے بعد عبدالحی نامی ایک شخص ہاتھ پکڑ کر مجھے منبر کے پاس لے گئے زینے پر میرے قدم رکھتے ہی مجمع میں ایک جنبش پیدا ہوئی عماموں سے آراستہ ہزاروں سر لہرانے اور چمن زار کی طرح متحرک ہونے لگے اور میری طرف نگاہیں باندھ کر دیکھتے رہے سفید ریش علماء نے میرے گرد حلقہ سا بنا لیا۔ ان کی پرشوق نگاہیں اور شگفتہ نورانی چہرے ہر ساعت میری ہمت بڑھا رہے تھے میرے اندر جرات و امنگ پیدا ہو گئی تھی کسی جھجک کے بغیر میں نے منبر کے ساتویں زینے پر قدم رکھا میں نے طائرانہ نگاہ سے مجمع کا جائزہ لیا جو مسجد کے آخری سرے تک بحر مواج کی طرح امڈا ہوا دکھائی دے رہا تھا پچھلی صفوں میں لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر مجھے دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے معلوم ہو رہا تھا جیسے انسانوں کے اس سمندر میں ہلکا سا تلاطم برپا ہو گیا ہو یہ منظر دیکھ کر بعض لوگوں کے منہ سے بے اختیار ماشاء اللہ کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں میں نے اپنی تقریر ان الفاظ سے شروع کی۔

"ایہا السادۃ الکرام۔ میں ایک پرائے ملک سے علم کے حصول کی خاطر حاضر ہوا ہوں جس کا وہاں پر حاصل کرنا ممکن نہ تھا میں آپ کے پاس روحانی فیض حاصل کرنے آیا تھا اور خدا کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے اس سے مستفیض فرمایا اس کے بعد میں تقریر کے اصل موضوع کی طرف آیا۔ میں نے کہا۔

"مسلمانوں میں یہ بات عام ہے کہ بس خدا ہی جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے ہمارے منشا کا اس میں کوئی دخل نہیں لیکن قرآن یہ کہتا ہے۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم

(ترجمہ بزبان اقبال)

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

میں نے آیت کی تفسیر کر کے اس کا مفہوم و منشا بیان کیا اور تقویٰ کی زندگی گزارنے اور گناہ و طغیان کے خلاف جہاد کرنے پر تفصیل سے روشنی ڈالی تقریر کے دوران اللہ اکبر کے وجد آفریں نعروں سے فضا گونج اٹھتی تھی بیان ختم کر کے وہیں منبر پر بیٹھ گیا۔ میرے دل میں جذبات کا طوفان اس طرح موجزن تھا کہ اس وقت کی دوسری بات سوائے اس کے یاد نہ رہی کہ اسلم نے ہاتھ کے سہارے مجھے منبر سے نیچے اتارا اور مسجد سے باہر چلے میں نے پوچھا آخر اتنی جلدی کیوں ہے لیکن ذرا ہی دیر میں مجھے اس کا سبب معلوم ہو گیا باہر بے شمار لوگ بڑی بے تابی سے میرا انتظار کر رہے تھے اور بڑی گرمجوشی کے ساتھ مجھ سے مصافحہ اور معانقہ کیا ناتواں اور نحیف لوگ جو مجھ تک نہیں پہونچ سکتے تھے بڑی مشتاق نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے ہر شخص اپنے لئے دعا کا خواستگار تھا اور میرے ہاتھوں اور پیشانی کو بوسہ دینے کے لئے بے قرار ہو رہا تھا میں نے پوری قوت سے گھٹی ہوئی آواز میں کہا اے اللہ کے بندو! آپ مجھے اپنے اوپر اتنی ترجیح کیوں دے رہے ہیں بے شمار حشرات الارض میں میرا بھی شمار ہے میری مثال ایک پتنگے کی سی ہے جو روشنی کی طرف بڑھ رہا ہے، اللہ کے ان مخلص بندوں کی عقیدت و محبت دیکھ کر میں بہت شرمندہ ہوا، ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں نے ان کا کوئی سامان اچک لیا ہے جس کو حاصل کرنے کے درپے ہو گئے ہیں اسلم نے مجمع سے مجھ کو نکالا اور وہ ایک تانگے میں بٹھا کر اپنے گھر لے گئے دوسرے اور تیسرے روز لوگ جوق در جوق مجھ کو مبارکباد دینے کے لئے آتے رہے اور میں ان کے اخلاص و محبت اور نیک جذبات سے لطف اندوز ہوتا رہا جو تا دم حیات بھلایا نہیں جا سکتا۔

مسلم پرسنل لاء میں ترمیم و تنسیخ کی مخالفت

لکھنؤ میں مسلم خواتین کا جلسہ عام

لکھنؤ کی مسلم خواتین نے ۱۹ مارچ [illegible] کو خواتین برائے تحفظ شریعت کے زیر اہتمام ایک جلسہ عام میں یہ فیصلہ کیا کہ پرسنل لاء میں ترمیم و تنسیخ کی کوشش کا ہر صورت میں ہر سطح پر مقابلہ کریں گی۔

ایک جلسہ عام میں جو ممتاز دار الیتامیٰ میں بیگم قیصر نیازی پرنسپل فیض عام کالج کانپور کی صدارت میں ہوا ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں حکومت کے دانشمند اور ذمہ دار افراد سے اپیل کی گئی ہے کہ ملک کے سیکولر کردار کو برقرار رکھتے ہوئے ان ارادوں کا سد باب کر دے جو بعض فرد اور گروہ کی طرف سے پرسنل لاء میں ترمیم و تنسیخ کے سلسلے میں آئے دن اٹھائے جاتے رہتے ہیں۔ تاکہ ملک کے تمام مذہبی گروہ یکجہتی اور اطمینان کے ساتھ ترقی کر سکیں۔

قرارداد میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے نبی کی سنت کے ذریعہ جو احکام مسلمانوں کو زندگی بسر کرنے کے لئے دیئے ہیں وہ نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے سب سے بہتر قوانین ہیں۔

قرارداد میں مزید کہا گیا ہے کہ ان قوانین میں ترمیم و تنسیخ کا حق کسی کو بھی نہیں ہے حتیٰ کہ خود مسلمانوں کو بھی نہیں قرارداد میں علماء دین سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ مل بیٹھیں اور ان قوانین میں جن وضاحتوں کی ضرورت ہو ان کی نشاندہی کریں تاکہ مسلمانوں کو قابل اطمینان نمائندگی حاصل ہو سکے۔ اس میں مسلمانوں سے اپیل کی گئی ہے کہ شریعت کے احکام کے برخلاف عورتوں پر زیادتی کا جو طرز عمل پایا جاتا ہے اس کو رائے عامہ کی تربیت کر کے ختم کرایا جائے۔

بیگم قیصر نیازی نے صدارتی خطبہ میں اس بات پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ انگریزوں کی غلامی کے بعد مسلمانوں کی اپنی غفلت کی وجہ سے اللہ کا دین اب صرف دو قلعوں یعنی مساجد اور گھروں میں پناہ گزین ہے لیکن بدقسمتی سے خود ہماری نئی نسل میں ایسے افراد پیدا ہو گئے ہیں جن کو اسلام کے ان قلعوں کو ڈھا دینا پسند آیا ہے۔

بیگم نیازی صاحبہ نے کہا کہ تحفظ شریعت کا ایک طریقہ یہ ہو کہ مسلمان خواتین کو مسلم پرسنل لاء (شریعت ایکٹ) سے روشناس کرایا جائے انھوں نے اس سلسلہ میں قرآن پاک کے حوالوں سے اسلامی سماج میں مرد و عورتوں کے تعلقات کی نوعیت اور اس کے اصولوں پر روشنی ڈالی اور کہا کہ شریعت قوانین کے برتنے میں جہاں دقت پیش آ رہی ہے یا آجکل کے نئے مسائل میں کسی اصلاح یا تفصیل اور وضاحت کی ضرورت ہو تو اسلامی قوانین کے ماہر علماء سر جوڑ کر بیٹھیں اور شریعت کی رہنمائی کی تفصیل اور نئے مسلوں کے حل سے پوری ملت کو آگاہ کریں لیکن اس کا حق شریعت کے جاننے والے علماء کو ہو سکتا ہے۔ حمید دلوائی یا شریف طیب جی کو نہیں۔

بیگم اعز حسین صاحبہ ایڈوکیٹ نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں کہا کہ مسلم پرسنل لاء کے بدل جانے کی جو تحریک آجکل چل رہی ہے اس کے خلاف بمبئی میں خواتین کا ایک بڑا اجتماع ہوا تھا اس وقت سے میرے دل میں یہ خواہش اٹھی تھی کہ ان ہی مقاصد کے تحت ایسا ہی اجتماع لکھنؤ میں بھی ہو انھوں نے یہ بھی کہا کہ کوئی ایسی صورت ضرور پیدا کی جائے گی جس سے عورتیں مردوں کے ظلم اور بے جا سلوک سے محفوظ رہیں۔

جلسہ عام میں تقریباً دس ہزار خواتین نے شرکت کی

انسان گناہ کیوں کرتا ہے

از جناب احمد رشید علیگ

شاید اس حقیقت سے کسی کو بھی انکار نہ ہوگا کہ انسان نفس کا غلام ہے۔ اور نفس معصیت اور گناہ کی آماجگاہ خیال کیا جاتا ہے مفکرین کا کہنا ہے کہ انسان کے اندر بیک وقت دو طاقتیں کام کرتی ہیں اول نفس جو عام طور سے گناہ کی طرف ترغیب دیتا ہے اسی لئے تمام مذاہب ضبط نفس کی تعلیم کے ہمنوا ہیں۔ دوسرے ضمیر جس کے دو کام ہیں۔ پہلا یہ کہ جب انسان معصیت کی طرف مائل ہوتا ہے تو ضمیر اس کو روکنے کی کوشش کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ سوچے ہوئے منصوبہ کے بعد جب کہ انسان اپنے فعل کو عملی جامہ پہناتا ہے تو اس وقت ایک ہی دماغ میں دو جذبات کام کرتے ہیں جن کی آپس میں کشمکش فطری ہے۔ جو جذبہ زیادہ قوی ہوتا ہے وہ دوسرے جذبہ پر حاوی ہو جاتا ہے۔ دوم جب انسان گناہ کر چکتا ہے تو ضمیر اس کا احساس دلاتا ہے اور بار بار ہر برے فعل کی مذمت کرتا ہے۔

لیکن یہاں یہ لکھنا نامناسب نہ ہوگا کہ دونوں جذبات کی قوت مساوی ہوتی ہے اور کامیابی شدت کے اوپر منحصر ہے ضمیر اس گناہ کا احساس دلاتا ہے جس کا انسان عادی نہ ہوا ہو۔ لیکن جب انسان کسی گناہ کا عادی ہو جاتا ہے تو ضمیر کی آواز دب جاتی ہے۔ مثال کے طور پر جب میں نے پہلی بار فلم دیکھی تو مجھے اپنے والد کا ڈر غالب تھا اسی ڈر نے یہ احساس دیا کہ فلم دیکھنا بری بات ہے۔ اور جب دل سے یہ خوف ختم ہوا تو اس کی جگہ مسرت نے لے لی۔ اب فلم تفریح کا سامان بن گئی۔

دوستوفسکی اپنے مشہور ناول "جرم اور سزا" میں یہی کہتا ہے کہ انسان کو ہمیشہ اپنے گناہ کا احساس رہتا ہے لیکن یہ عمل اس وقت تک چلتا ہے جب تک کہ انسان گناہ سے باز رہا ہو۔ چونکہ بار بار ہونے والا گناہ انسان کی زندگی کا لازم جز بن جاتا ہے جس کو اگر بھولنا بھی چاہے تو وہ قاصر ہے شرابی جانتا ہے کہ شراب پینا برا فعل ہے لیکن اگر اس سے پوچھا جائے کہ تم شراب کیوں پیتے ہو؟ تو اس کے پاس اس جواب کے سوا کچھ نہ ہوگا: "نہ پینے کی بہت کوشش کرتا ہوں پھر بھی پی ہی لیتا ہوں"۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بار بار ہونے والا گناہ "رواجی" بن جاتا ہے یعنی ایک ہی فعل جو ایک موقع پر گناہ ہے کسی دوسرے موقع پر وہ انسان کی زندگی کا لازمی جز بن جاتا ہے ایک طرف تو انسان بار بار گناہ کرتے ہوئے بھی نہیں چوکتا۔ چاہے وہ گناہ عظیم کیوں نہ ہو اور دوسری طرف وہ گناہ کرتا ہے تو اسے اس کا زندگی بھر افسوس رہتا ہے۔ چاہے وہ گناہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو آئیے اب ہم گناہ گاری کی اصل حقیقت پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

پہلے قسم کے گناہ گار وہ ہیں جنھیں سماج والوں نے گنہگار بنا دیا ہے جب کہ اس سے قبل ان کی زندگی ایک اچھے کردار کا نمونہ رہی ہو اگر ہم کسی چور کی زندگی پر نظر کریں تو ہمیں آسانی سے پتہ چل جائے گا کہ اس نے حالات سے مجبور ہو کر چوری کی، سماج نے اسے برا سمجھا، لیکن جب سماج والوں نے اس کو حقارت کی عینک چڑھا کر دیکھا تو وہ پکا چور بننے پر مجبور ہو گیا اور یہی انسان کی فطری حقیقت بھی ہے اسی طرح اگر ہم طوائف کی زندگی پر نظر ڈالیں تو اکثر وہی عورت عصمت فروش بنتی ہے جسے اپنے شوہر اور سرپرستوں کا سچا پیار نہ ملا ہو۔ دوسرے طوائف گھرانے میں پیدا ہونے والی لڑکی۔ تیسرے جوان لڑکی کو ذرا سے قصور پر مار مار کر گھر سے نکال دینا اس کو عصمت فروشی کی آغوش میں پہنچاتا ہے۔

میں نے ایک مرتبہ ایک طوائف سے اس کی زندگی کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا میرا شوہر ایک نیک آدمی تھا۔ کاروبار کے سلسلہ میں ایک مہینہ اور دو مہینہ کے بعد گھر آیا کرتا تھا اس کی غیر موجودگی میں میرے شوہر کے دوست گھر آتے تھے ان میں سے ایک سے میرا پیار ہو گیا۔ اس نے عورت کی فطری کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ شوہر نے میرے ساتھ زیادتی کی اور سماج نے [illegible] جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں طوائف بن گئی۔ اس طرح لوگ اور غریب کو جانور سے زیادہ بدتر سمجھنا ان کی رگوں میں بغاوت اور انتقام کی جوالا مکھی بھرتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس قسم کے گنہگار سماج کی غفلت حاکموں کی بیجا چیرہ دستی اور حالات سے مجبوری کی بنا پر گنہگار ہیں۔ جیسا کہ ہم کو معلوم ہے انسان کے اندر دو طاقتیں کام کرتی ہیں ایک شر اور دوسرے خیر ان میں سے جو قوی ہوتا ہے وہ ایک دوسرے پر فتحیاب ہو جاتا ہے اس لئے اس موقع پر ضرورت ہے کہ گناہ گار کو معافی اور ہمدردی سے نوازا جائے۔

چوں کہ گناہ انسان کا فطری عمل ہے۔ بقول انگریزی مفکر "میں گناہ کو انسانی فطرت کا لازمی عنصر سمجھتا ہوں" مذہب کی رو سے بھی گناہ فطری عمل ہے۔

دوسرے قسم کے گنہگار وہ ہوتے ہیں جو ماحول کے غلام ہوتے ہیں اجتماعی حیثیت سے انسان کو جیسا ماحول ملتا ہے اسی کو وہ اپنا لیتا ہے، کیوں کہ ماحول کا اثر زندگی پر گہرا پڑتا ہے اگر کوئی ماحول سے بچ کر رہنا چاہے تو ایسا ناممکن ہے۔ اب سوال اٹھتا ہے ماحول کیا ہے، گرد و پیش کے ہنگامہ کی دنیا کو ماحول کہتے ہیں آدمی اپنے گرد و پیش سے بے خبر نہیں ہو سکتا اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہم جس ماحول میں رہتے ہیں اس کا اثر ہماری زندگی پر پڑنا لازمی ہے تعلیم اور نفسیات کے ماہرین کہتے ہیں کہ بچہ پیدا ہونے ہی خارجی دنیا سے سیکھنا شروع کر دیتا ہے کیوں کہ وہ ماحول میں پیدا ہوتا ہے برے ماحول سے میرا مقصد صرف بستی یا محلہ ہی نہیں بلکہ والدین اور خاندان والوں کا بھی بچہ کی زندگی پر نمایاں اثر پڑتا ہے جس طرح تھوڑے بچہ کی پرورش کے لئے ایک لائق ماں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ دنیا کے ظالم اور مفسد انسان دراصل شریر اور بگڑے ہوئے بچے ہیں جن کے ہاتھ میں زمام اختیار آ گئی اور انہوں نے دنیا کو ظلم و فساد سے بھر دیا۔ اس لئے ماں باپ کو بچے کی زندگی سنوارنے کے لئے بہتر ماحول کی کہیں زیادہ ضرورت ہے اور بہتر ماحول کا وجود سماج اور افراد کی اصلاح پر موقوف ہے۔ چوں کہ سماج چند افراد سے مل کر بنتا ہے اس لئے ہر شخص کو انفرادی حیثیت سے اپنی اصلاح کرنی ہوگی۔

تیسرے گناہ کے دامن میں جب انسان پناہ لیتا ہے جب کہ اس میں خود اعتمادی باقی رہتی ہے اور اسے یقین ہو جاتا ہے کہ اب حالات اس کے موافق نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں شراب کا ذوق پایا جاتا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ عارضی سکون پیدا کر دیتی ہے اور وقتی طور پر اذیت اور پریشانی کو دبا دیتی ہے اور اکثر اشخاص شراب پی کر غم کو بھلانا چاہتے ہیں۔ امریکا میں شراب پینے کی یہی وجہ ہے اور ایچ جی ویلز کا بھی یہی کہنا ہے کہ چوں کہ شراب کیف اور خود فراموشی پیدا کر دیتی ہے اور اس کو پینے والے اپنی ناکامیوں اور پریشانیوں کے احساس کو بھول جاتے ہیں اسی لئے وہ شراب نوشی کے مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

عام طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جو لوگ پاکیزہ اور اچھے ماحول میں زندگی گزارتے ہیں وہ کسی مذہبی ترغیب کے بغیر بھی گناہ اور معصیت سے دور رہتے ہیں اس لئے گناہ سے بچنے کے لئے سب سے زیادہ جو چیز ضروری ہے وہ اچھا ماحول اور اچھی سوسائٹی ہے۔ [illegible]

[illegible]

نوجوان جو نہ جانے کس اونچ میں آ کر رشید احمد کا مرثیہ لوگوں کے بہکانے میں آ گئے انہوں نے بھی بے راہ شادیوں پر گئے انہوں نے بغیر لئے دیئے شادیاں کر لیں۔ تو کچھ لوگوں کو ان کے عظیم بازہ ہونے کا پورا یقین ہوا اور جب کچھ دنوں بعد بڑی مشکلوں سے وہ اس کے قائل بھی ہوئے تو اس جملہ کے ساتھ کہ جیسے ان کا کچھ ذاتی نقصان ہو گیا ہو کہنے لگے [illegible]